خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
آنچل
کراچی
عید نمبر 2

ناولٹ

# کشفِ ذات کی جستجو

صائمہ اقبال سندھو

Digest Novels Lovers group

میرے ماتھے پہ ترا پیار دمکتا ہے ابھی
میری سانسوں میں تیرا لمس مہکتا ہے ابھی
میرے سینے مین تیرا نام دھڑکتا ہے ابھی
زیست کرنے کو میرے پاس بہت کچھ ہے ابھی

Digestlibrary.com

صحن کے بیچوں بیچ برستی بارش سے بے نیاز وہ گردن اٹھائے اپنے خوبصورت گھر کو آخری بار نظر بھر کر دیکھ رہی تھی۔ ستونوں کے سہارے ایستادہ خوبصورت گھر جدید وقدیم طرز کا شاہکار تھا۔ سفید سنگ مرمر' اٹالین کھڑکیوں' فرانسیسی فانوس اور آئیوی کی بیل نے اُسے خوابناک سا تاثر عطا کردیا تھا۔ گھر سے ہوتی اُس کی نظریں چھوٹے سے باغیچے پر آٹھہری تھیں۔ موتیا اور گلاب کے پودے پاپا نے خود لگائے تھے۔ بہت محبت سے لگائے گئے یہ پودے دو ہفتوں سے توجہ سے محروم تھے۔ محبت اور خونِ جگر سے سینچے ان پودوں کو کون پانی دے گا۔

ایک دم آنکھیں گیلی ہونے لگیں بارش کے ساتھ نمکین پانی کے قطرے رخساروں سے لڑھکے تھے اور پھر ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا۔ ایک کے بعد ایک آنسو پیاسی زمین میں جذب ہوتا رہا۔ ایک بارش باہر ہورہی تھی اور ایک اس کے اندر سنگ مرمر کے اس مجسمے کو نعمان نے برآمدے سے دیکھا تھا۔

پندرہ سولہ سال کی ننھی لڑکی کی آنکھوں کی اداسی اور ویرانی بہت گہری تھی۔ بالکل اسی طرح کل ستارہ بھی تو گھر سے روانہ ہوئی تھی آج وہ بھی یہاں سے جارہی تھی۔ وہ یہیں رہنا چاہتی تھی مگر پاپا کی نصیحت وصیت...... آخری نظر گھر پر ڈال کر خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ شفقت علی سے ہاتھ ملا کر دادا کے ساتھ وہ بھی گاڑی کی طرف آیا تھا۔ سامان اندر رکھ کر اُس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

نعمان بیٹھے بیٹھے کوفت کا شکار ہوگیا تھا۔ دادا زبردستی اُسے ساتھ لائے تھے ورنہ آج کی شام اُسے نیناں کے ساتھ کلب جانا تھا۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر اُس نے اپنا غصہ نکالا۔

''ایک میں ہی فارغ نظر آیا تھا انہیں۔'' اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے رو روکر حشر مچا رکھا تھا۔

پُرسکون ہوکر اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔ دادا کا اس کی حرکت نظر انداز کرنا ریم کو بہت کھلا تھا۔ اُس شخص کی بے حسی پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر رونے

لگی۔

اُس کے پاپا ابراہیم نفیس احمد قصبے کے واحد ڈاکٹر تھے۔ نہ صرف اپنے قصبے بلکہ اردگرد کے علاقوں میں بھی بہت مشہور تھے۔ اول تو دیہات قصبوں میں کوئی ڈاکٹر آتا ہی نہیں تھا اور اگر آ بھی جاتا تو زیادہ دیر ٹھہر نہ پاتا مگر ابراہیم نفیس احمد نہ صرف قابل ڈاکٹر تھے بلکہ قصبے میں رہتے ہوئے انہیں ایک عرصہ بیت گیا تھا۔ یہاں اُن کی بہت عزت تھی۔ اُس کی ماں مکمل گھریلو عورت تھی۔ شاید وہ کچھ پڑھی لکھی تھی یا نہیں وہ بالکل لاعلم تھی۔ ہاں مگر اُس کی انگلش بہت اچھی تھی۔ اُس نے اکثر اُسے ڈائری لکھتے دیکھا تھا۔ پاپا اور ماں کے درمیان بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اُس کی ماں کے قصبے میں بھی کسی سے روابط نہ تھے مگر اُس کی چھوٹی عمر اُسے کسی گہرائی میں جانے نہ دیتی وہ یعنی ریم بڑی تھی میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ قصبے میں Educators اسکول کی برانچ کھلنے سے انہیں بہت آسانی ہوگئی تھی۔ ستارہ اُس سے چھوٹی تھی اور آٹھویں کلاس میں تھی۔ اُن دونوں میں قدر مشترک ان کا سرو جیسا قد تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے لیا تھا۔ اُس کی ماں کا انتقال ہوئے کئی سال ہونے کو تھے مگر ماں سے متعلق یادیں اُسے ہمیشہ ہی بے چین، بے کل کردیتیں۔ اُس نے کبھی اپنے خاندان کے کسی فرد کو نہ دیکھا تھا۔ شاید ان کے رشتہ دار تھے ہی نہیں۔ ایک شفقت انکل تھے جو پاپا کے بہت اچھے دوست تھے اور اُن کا شام کا بیشتر وقت ان کے گھر میں گزرتا جہاں پاپا اور انکل تاش کی لمبی لمبی بازی لگایا کرتے اور ماں سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہتیں۔ اُس نے کئی بار پاپا سے دادا' نانی' نانا کے بارے میں پوچھا تھا مگر وہ بڑی خوب صورتی سے ٹال دیتے۔ اُس کی دو سہیلیاں تھیں اسکول سے آنے کے بعد اُس کا زیادہ وقت اپنی سہیلیوں کے ساتھ گزرتا۔

ماں سے زیادہ وہ بابا کے نزدیک تھی سارے دن کی روداد بابا کو سنانے میں بڑا مزا آتا۔ ستارہ کی ستاروں سی چمکتی آنکھیں ہر وقت شرارت کے موڈ میں ہوتیں۔ وہ بھی اُس کا ساتھ دیا کرتی۔

نانو کتنی ہی دیر اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے دیکھتی رہی تھیں۔ نانو' ماموں ممانی نے ستارہ کو ہاتھ کا چھپولا بنا کر رکھا تھا۔ اُس کے لئے سب کتنا نیا الگ الگ تھا سب کچھ نانو بہت بوڑھی مگر بہت ایکٹو تھیں۔ ممانی بہت کم گو' ماموں کا زیادہ وقت آفس میں گزرتا اور ممانی کا کچن میں یا مشی کے کام کرتے ہوئے۔ مشی ایب نارمل تھی۔ دس سال کی ہونے کو تھی مگر مینٹل لیول تین چار سال کے بچے جتنا تھا۔ اُس نے اکثر ممانی کو چھپ چھپ کر روتے دیکھا تھا۔ ستارہ نے کالونی میں بہت سی سہیلیاں بنالی تھیں۔ پاپا کی موت کو وہ بھولی نہ تھی مگر ہاں اُسے چین ضرور آ گیا تھا۔ وقت سب سے بڑا مرہم جو ہوا۔ نانو نے اسے نویں کلاس میں داخل کروادیا تھا۔ اسکول گھر کے قریب ہی تھا۔

گاڑی ایک دھچکے سے رکی تھی۔ اُس نے نظریں اٹھائیں اور پھر پلٹنا بھول گئی۔ بالکل وہی گھر اُس کے سامنے تھا جو وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی بہت پیچھے اور ایک اُس کے سامنے تھا' بالکل سامنے آنکھیں جھپک جھپک کر بھی اُس کی حیرت کم نہ ہوئی تھی۔ ایک ہی جیسے دو گھر وہ تو گھر سے نکلی تھی اور پھر وہیں پہنچ گئی تھی۔ دادا کی آواز نے اس کے ارتکاز کو منتشر کیا تھا۔

''بیٹا! تم میرے ساتھ آؤ' سامان فیض محمد نکال لے گا۔'' ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں ان کے ساتھ

چلتے چلتے وہ اندر آئی۔ صاف ستھری چمکتی لمبی روشیں، جس کے دونوں اطراف باغ، لمبی راہداریاں، کمروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، کئی کنال پر پھیلا یہ محل اُس کے گھر جیسا مگر بہت بڑا تھا۔ دادا کے پیچھے چلتے اُسے شاید صدیاں بیت گئی تھیں۔

سٹنگ روم میں رک کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''بچی کا سامان کمرے میں پہنچا دو۔''

ملازمہ سے کہہ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

محل کی راہداریوں میں چک پھیریاں کھانا اُس کا ذہن فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ دادا کی رعب دار شخصیت اُسے مرعوب کئے ہوئے تھی مگر شخصیت کے برعکس ان کا لہجہ بہت نرم و شفیق تھا۔

''اب آپ کو یہیں رہنا ہے ہمارے ساتھ۔ ندا اور ردا دونوں آپ کی چچا زاد ہیں۔ آج کل اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننھیال میں ہیں مگر جلد یہاں ہوں گی۔ فریدہ آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دیتی ہے۔''

نپے تلے انداز میں بات کر کے وہ وہاں رکے نہیں تھے۔ فریدہ کے ساتھ مختلف راہداریوں سے ہوتی وہ ''اپنے'' کمرے میں آ گئی تھی۔ ندا اور ردا کا نام اس کے دل کو دھڑکا گیا تھا۔ اُسے کب واقفیت تھی رشتوں سے، ستارہ بڑی شدت سے یاد آئی تھی۔

''پاپا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ تو ہمیشہ ستارہ کا خیال رکھنے کو کہتے تھے۔ کیسے رکھوں گی میں اس کا خیال۔ کیسے رکھ پاؤں گی۔ کیسی ہوگی وہ؟ کیوں کیا آپ نے ایسا؟''

''کیوں رشتوں سے محروم رکھا ہمیں۔ آخر کیوں؟''

تنہائی پاتے ہی بہن کا خیال بڑی شدت سے حاوی ہوا تھا اس پر گھٹنوں پر سر رکھ کر روتے ہوئے اُسے گھر، پاپا، ماں اور ستارہ بڑی شدت سے یاد آئے تھے۔

وہ ایک حبس والا دن تھا۔ ریم کچھ جلدی گھر آ گئی تھی۔ چھٹی کلاس کی وہ بے اعتماد بچی اپنے گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے فرار حاصل کرنے کے لئے زیادہ باہر ہی رہتی۔ سائرہ کی امی نے اس کے لئے بہت خوبصورت سوٹ سیا تھا جسے پہن کر سائرہ بہت خوش تھی۔ اُس کا دل کھیل سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ اس کی ماں نے اس سے کبھی محبت کے دو بول نہ بولے تھے۔ اس کی تشنگی بڑھتی ہی جاتی گھر کے کام تو قصبے کی دیگر عورتیں بھی کرتی تھیں مگر اُن کی ماں کے پاس اُن کے لئے آدھا گھنٹہ بھی نہ تھا۔ کیسا طلسم کدہ تھا یہ۔ اس کا چھوٹا سا حساس ذہن وقت سے پہلے شعور پا گیا تھا۔ اُس کی بے چینی عروج پر تھی۔ سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر اُس نے گھر کا رخ کیا تھا۔ اندر کی طرف بڑھتے قدم دروازے میں ہی ساکت ہو گئے۔ پاپا اور ماں کی تیز آوازیں اُسے متحیر کر رہی تھیں۔ وہ دریا کے دو کناروں کی طرح تھے۔ ساتھ ساتھ اور بہت دور اس کے پاپا کا ہمیشہ کا مہربان و نرم لہجہ آگ برسا رہا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو تمہاری اس خود ساختہ پرہیز گاری پر میں ایمان لے آؤں گا۔ تم جو کہو گی وہی کروں گا۔ تمہاری ہاں میں ہاں ملاؤں گا۔ سمجھتی کیا ہو خود کو۔ اتنے سال ہونے کو ہیں مگر تمہارا پتھر دل پتھر ہی رہا۔ میں سمجھتا تھا اپنے نرم رویئے سے تمہیں موم کر لوں گا مگر خام خیالی تھی میری۔'' اونچی آواز سے ڈر کر اُس نے دروازہ کھولا اور دروازے سے اندر جھانکنے لگی۔ پاپا، ماں کو بازو سے پکڑ کر اپنے بیڈروم کی جانب کھینچ رہے تھے اور ماں اپنا پورا زور لگا کر خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"بن باس صرف تم نے ہی نہیں کاٹا رشتوں کی دوری میں نے بھی سہی ہے۔"

پاپا کا لہجہ کمزور ہوا تھا درد آواز سے عیاں تھا۔

"اور تم کیا سمجھتے ہو جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا؟ ہمیشہ۔ بہت کر لی تم نے اپنی من مانی' اب نہیں نہیں۔ بن باس تو میں نے کاٹا ہے مگر رضا میری نہیں تھی۔ مجبور بھی تم نے کیا اور لاچار بھی۔ اور رہا سوال تمہاری رشتوں سے دوری کا تو اس میں تمہاری اپنی مرضی تھی' کسی نے فورس نہیں کیا تھا تمہیں۔ تم جیسے ہوس کے پجاری رشتوں کی حرمت کیا جانیں۔ رشتے تمہارے لئے اہمیت ہی کب رکھتے ہیں؟ تمہارے لئے تو اہم ہے نا تمہارا دل اور اس کا کہنا۔ دماغ سے تم نے سوچا ہی کب ہے کبھی' خودغرض' نفس پرست۔"

ماں بھی زور زور سے بولتے بہت غصے میں تھیں۔ اس نے کب ماں کو اتنا بولتے سنا تھا۔ ایک جھٹکے سے ماں کا بازو چھوڑ کر پاپا نے زور کا دھکا دیا تھا۔ دیوار سے ٹکرا کر وہ نیچے گرتی چلی گئی تھیں۔ پاپا شاید اُسے دروازے سے جھانکتے دیکھ چکے تھے۔ دھاڑ سے بیڈروم کا دروازہ بند کر کے وہ اندر غائب ہو چکے تھے۔ وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر دوڑ کر ماں کی طرف بڑھی تھی۔

ندا' ردا اور چچی کے آنے سے رونق سی آ گئی تھی۔ رشتوں کو ترسی ہوئی ریم بہت جلد ان میں گھل مل گئی تھی۔ اُس کے پاپا تین بھائی تھے۔ بڑے رحیم نفیس احمد' اس کے پاپا اور چچا فہیم نفیس احمد' رحیم نفیس کی پہلی بیوی سے ان کا بیٹا نعمان رحیم تھا جو MBA کرنے کے بعد لیدر فیکٹری کا انتظام وانصرام سنبھال رہا تھا۔ دوسری بیوی سے ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جو امریکہ میں سیٹل تھے۔ فہیم چچا کی دو بیٹیاں ندا اور ردا اور بیٹا فراز تھا۔ ندا بڑی تھی۔ بی۔ اے کر رہی تھی اور ردا ایف' ایس سی میں تھی بیٹا امریکہ میں بی۔ اے آنرز کر رہا تھا۔ وہ اپنی شوخ بااعتماد کزنز سے بہت امپریس تھی۔ اُس دن کے بعد سے اس کی ملاقات نعمان سے نہ ہوئی تھی۔

"ہلاکو خان کے ساتھ کہیں باہر جانا اپنی موت کو آواز دینے کے مترادف ہے۔"

یہ ندا تھی جو ٹی وی دیکھنے کے ساتھ چلغوزے کھا رہی تھی۔ اُس نے ناسمجھی کی کیفیت میں اُس کی طرف دیکھا جو اُسے معلومات بہم پہنچا رہی تھی۔

"بھئی یہی اپنے نعمان بھائی عرف ہلاکو خان۔"

اُس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اُسے یہ سن کر بالکل حیرانی نہ ہوئی تھی۔ اُس سے کسی چیز کی بھی توقع کی جاسکتی تھی۔ مگر تجسس کے ہاتھوں پھر بھی پوچھ بیٹھی۔

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ جب آپ ان کے ساتھ کہیں جائیں تو اُن کا پارہ ساتویں آسمان پر ہوتا ہے اور دماغ عرشِ معلیٰ پر' لڑنے' بھڑنے اور مرنے مارنے میں ان کا ثانی نہیں' آپ کی طرف دیکھنے والی آنکھوں کو پھوڑنے سے بھی گریز نہ کریں۔ ایک دفعہ مجھے لینے کالج گئے تھے کسی لڑکے نے کوئی آواز کسی بس پھر کیا تھا ہلاکو خان اِن ایکشن اور بس' میں جو بے چاری پہلے ہی ڈری سہمی تھی بجلی کڑکتے دیکھ کر حواس کھو بیٹھی اور آئندہ تہیہ کر لیا کہ دوبارہ اِن کے ساتھ کبھی نہیں آنا۔"

مفصل جواب دے کر وہ اپنے کام میں مشغول تھی۔ چینل سرچ کرتے اُسے اردگرد کا بالکل ہوش نہ تھا۔

"سارا "ڈنڈ بیٹھک کسرت" کا کمال ہے صبح دو گھنٹے مشکل ترین Exercise کرتے ہیں۔"

"ویسے ندا ایک بات تو ماننی پڑے گی۔ نعمان بھائی کی پرسنالٹی ہے بڑی غضب کی اور غصہ تو ان پر

خوب سجتا ہے کسی تقریب میں لڑکیاں کیسے آگے پیچھے ہو رہی ہوتی ہیں۔''

''ہاں تم تو ہو ہی ان کی چہیتی کبھی جو ان کے خلاف بات برداشت کرو۔ نعمان بھائی۔ نعمان بھائی' ہونہہ۔''

انہیں خبردار کرنے کا ارادہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ دروازے کے فریم میں ایستادہ وہ ان کے نادر خیالات سے مستفید ہو رہا تھا۔ خطرناک تیوروں کے ساتھ انہیں گھورتے وہ بہت بُرے موڈ میں تھا۔

''تو کیا تمہاری طرح ہلاکو خان۔'' بات کرتے کرتے ردا کی نگاہ اُس کی جانب اٹھی اور حواس باختگی میں اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہوئی تھی۔ ندا نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔

''نعمان بھائی چائے پئیں گے؟'' آخر ندا نے ہی اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ آہستہ روی سے چلتا وہ اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ریم کی لاپتہ چپل بھی اُس کے جانے کے بعد اُسے مل گئی تھی۔ اُس کی موجودگی اور اپنی سٹپٹاہٹ میں اُسے قریب پڑی چپل نظر ہی نہ آئی تھی۔

''آج تو تمہاری موشگافیوں نے مروا دیا تھا۔ بس ہلاکو خان ہلاک کرتے کرتے رہ گئے۔ پتہ نہیں کون سی نیکی کام آئی ہے۔'' ردا نے کشن کھینچ کر ندا کو مارا تھا۔

''ان کا بس چلے تو ہمیں مکھیاں بنا کر دیوار سے چپکا دیں۔''

''بتیس سال کے ہونے کو ہیں اور ابھی تک رنڈوے پھر رہے ہیں۔ شادی ہو تو ہم سے دھیان ہٹے۔''

وہ دونوں خوفزدہ تھیں یا نہیں لیکن ان کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے اٹک گیا تھا۔

اُس کا ایڈمیشن ندا اور ردا کے ساتھ لاہور کالج یونیورسٹی میں ہو گیا تھا اُس کی شخصیت کا سارا اعتماد انہی دونوں کا مرہونِ منت تھا جو منکر نکیر کی طرح ہر وقت اس کے ساتھ ہوتیں اس کے Subjects بھی ان دونوں کی پسند کے تھے۔ Economics,Psychology اور اُردو لٹریچر' ماضی کے دکھوں کو کسی حد تک بھلائے مستقبل کے خوف سے بے نیاز وہ صاحبِ حال تھی۔

انہی دنوں ندا کی خالہ نے اسے اپنے بیٹے نبیل کے لئے پروپوز کیا تھا۔ چچی کی خوشی دیدنی تھی۔ نبیل انہیں بہت پسند تھا اور پھر گھر کا دیکھا بھالا لڑکا تھا۔ انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ باقاعدہ بات چیت کے لئے آج وہ لوگ آ رہے تھے۔ اُن دونوں نے چھیڑ چھیڑ کر ندا کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ وہ بھی بولائی بولائی سی تھی۔

''فریدہ کے ساتھ تم لوگ بھی کچھ بنا لو۔ ندا تم سوئیٹ ڈش بنا لو اور ردا تم رشین سلاد بنا لو۔ ریم تم دونوں کی مدد کرے گی۔''

چچی حکم صادر کر کے جا چکی تھیں جز بز ہوتی ندا بمشکل بیڈ سے اتری تھی۔ فریدہ کام نمٹا چکی تھی۔ وہ تینوں مصروفِ عمل تھیں۔ ''مارے گئے'' ردا کتنی دیر پہلے ہلاکو خان نے تمہیں چائے کے لئے کہا تھا اور تمہاری مصروفیت کے کیا کہنے اب دے کر آؤ خود ہی [redacted] نے سر پر ہاتھ مار کر اُس کی لاپرواہی یاد دلائی تھی وہ بھی بوکھلا گئی تھی جلدی جلدی چائے تیار کر کے وہ شش و پنج کی کیفیت میں تھی۔ ریم ڈونگا فرج میں رکھ کر واپس آئی تھی اور ہلاکو خان والی اسٹوری سے لاعلم تھی۔

''ریم! یہ نعمان بھائی کو دے آؤ۔'' اُس کے ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑا کر اُس نے رکا ہوا سانس باہر

پھیلا تھا۔

''میں......میں کیسے دے آؤں؟''

''کیوں اس کے لئے کرتب دکھانے ہوں گے جو تم نہیں دکھا سکتیں چائے ہی تو دینی ہے۔ پکڑا کر واپس آ جاؤ۔''

''لیکن......میں......کیسے۔''

''یہ میں' میں بعد میں کر لینا پہلے چائے دے آؤ۔''

''پل صراط پر چلتی وہ یہاں تک پہنچی۔ بادل نخواستہ دروازہ ناک کیا ''یس'' کی آواز پر اندر آئی۔ کمپیوٹر پر نظریں جمائے وہ بہت مصروف تھا جب اُسے متوجہ کرنا پڑا۔

''چائے لے لیں۔'' اُس نے ایک طائرانہ نگاہ اُس پر ڈالی اور پھر کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''ہاں یہاں رکھ دو۔''

''تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

بھاگنے کے چکر میں ایک دم نروس ہو کر ٹھہری تھی۔

''ٹھیک۔''

''کسی قسم کی کوئی مشکل تو نہیں؟'' اُس کے نرم لہجے پر وہ گرتے گرتے بچی تھی۔

''نہیں۔'' مختصر جواب دے کر وہ واپس مڑی اور بیڈ سائیڈ پر دھری بچے کی تصویر کے ساتھ نعمان بھائی کی تصویر اُسے الجھن میں ڈال گئی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔''

ندا کی بات پکی ہو گئی تھی۔ افروز خالہ بہت ہنس مکھ اور ملنسار خاتون تھیں۔ نبیل بھائی بھی ساتھ تھے۔ جھجکی جھجکی سی ندا بہت سی نگاہوں کا مرکز تھی۔ دادا' نبیل بھائی اور نعمان بھائی باتوں میں مصروف تھے۔

فہیم چچا بھی اٹھ کر اندر گئے تھے۔ اس اپنے پن کا بدل کہیں نہیں تھا۔ خون کے ساتھ سکون بھی اس کی رگوں میں گردش کرنے لگا۔

''کسی دن ندا' ردا کے ساتھ ہماری طرف آؤ نا۔'' افروز خالہ نے بڑی چاہت سے اُسے ساتھ لگایا تھا۔

ندا کے ساتھ وہ ٹیبل سمیٹ رہی تھی جب دادا کے کمرے میں اُسے طلب کیا گیا تھا۔ چچا اور ہلا کو خان پہلے سے وہاں موجود تھے۔

''دل لگ گیا تمہارا یہاں؟''

''جی۔''

فہیم چچا کے پوچھنے پر اُس نے مختصر جواب دیا تھا۔

''پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے؟''

''جی۔''

''بیٹا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔ اب یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ ابراہیم بھائی نے تمہیں رشتوں سے دور رکھ کر اچھا نہیں کیا۔ بہر حال''

''بیٹا! تمہارے پاپا نے وصیت کی تھی کہ ڈنگہ والے گھر کو بیچ کر دیا جائے اور رقم تم دونوں بہنوں کے مشترکہ اکاؤنٹ میں جمع کروا دی جائے۔ تمہاری شادی پر شفقت صاحب کا فون آیا تھا ابھی تک وہ ہی اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے مگر وہ بھی لندن اپنے بیٹے کے پاس جا رہے ہیں اس لئے ان کا کہنا ہے کہ ایک بار وہاں کا چکر لگایا جائے اور ضروری سامان تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟''

اُن کے پوچھنے پر اُس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ دھند کی چادر آنکھوں کے سامنے بار بار آ رہی تھی۔

''فیصلہ اب تمہیں ہی کرنا ہے۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' ہاں ایک بار میں

اُسے دیکھنا ضرور چاہتی ہوں' تھوڑی دیر کے لئے۔ اگر آپ چاہیں تو۔'' کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے تھے امید وبیم کے بیچ لٹکتی وہ سانس روکے ہوئے تھی۔

جب دادا نے یک لخت اُس کی آنکھوں میں دم توڑتی التجاؤں کو نئی زندگی بخشی تھی۔

''فہیم اور نعمان جب بھی جائیں گے آپ ان کے ساتھ جائیں گی۔'' خوشی خوشی وہ وہاں سے اٹھی تھی۔

''ندا نعمان بھائی کے کمرے میں بچے کی تصویر......'' تجسس کے ہاتھوں مجبور ندا سے پوچھنے میں اُس نے دیر نہیں لگائی تھی۔

''ان کے بیٹے کی ہے۔''

Digest Novels Lovers

ماں کے انتقال کے پورے تین سال بعد پاپا بھی دارفانی سے کوچ کر گئے تھے۔ دوبار ہارٹ اٹیک نے ان کی رہی سہی طاقت بھی نچوڑ لی تھی۔ ڈاکٹر نے بائی پاس کا مشورہ دیا تھا مگر وہ ہر قسم کے مشورے سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ شاید وہ جینا ہی نہ چاہتے تھے۔

پاپا کو گئے دسواں دن تھا جب ستارہ نانی کے ساتھ اور وہ دادا کے ساتھ آ گئی۔ بہت سی باتیں' یادیں اپنے آنچل سے باندھ لائی تھی۔

''نعمان بھائی کا بیٹا۔'' زیرِ لب دہراتے اُس کی سوالیہ نظریں ندا کے چہرے پر جمی تھیں۔

''نعمان بھائی بی بی اے میں تھے۔ اُن دنوں انکل رحیم کا بزنس اور ان کی دو فیکٹریز بہت مشکل حالات سے دوچار تھیں۔ انہیں سرمائے کی شدید ضرورت تھی مگر اتنا سرمایہ ان کے پاس نہ تھا۔ بزنس تقریباً ٹھپ ہو چکا تھا اور ورکرز کی تنخواہیں' ان کی ہڑتال اور فیکٹری کی ساکھ داؤ پر لگی تھی۔ انہیں مضبوط سہارے کی ضرورت تھی جو انہیں اپنے دوست خالد احمد کی صورت میں میسر آ گیا تھا۔ رابعہ احمد' خالد احمد کی بیٹی تھی دوستی کے رشتے کو انہوں نے مضبوط رشتہ داری کی صورت اور مضبوط کر لیا تھا۔ ایک تابع فرمان بیٹے کی طرح نعمان بھائی نے ان کے فیصلے پر سر جھکا دیا وہ اس بات سے واقف نہ تھے کہ انکل رحیم' خالد احمد سے پیسہ لے کر ڈوبتے کاروبار کو چمکا چکے ہیں۔ رابعہ احمد ان کی زندگی میں ہوا کے خوشگوار جھونکے کی صورت داخل ہوئی مگر بادِ سموم کی طرح ان کے لطیف احساسات جذبات اور امنگوں کے پودوں کو مرجھا کے رکھ دیا تھا۔ ہائی سوسائٹی کی عورتوں کی طرح کلب' پارٹیز کو اولیت دینے والی رابعہ نعمان بھائی کی زندگی کا عذاب بن گئی تھی۔ آئے روز کے جھگڑے گھر کی فضا کو مکدر کرنے لگے۔ زید کی پیدائش خوشگوار جھونکے کی طرح تھی مرجھائی' ادھ مری خواہشیں' آرزوئیں' امنگیں پھر جوان ہونے لگیں نعمان بھائی ان دنوں بہت خوش تھے۔ رابعہ کی Activities وہی تھیں لیکن نعمان بھائی نے اپنے آپ کو زید کے لئے وقف کر دیا تھا۔ انکل رحیم کی فیکٹریز کی ساکھ بحال ہونے لگی تھی گھر کے معاملات سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا ویسے بھی وہ زیادہ تر انگلینڈ میں ہوتے۔''

وہ دم سادھے انکشافات کی زد میں تھی۔

''زید کی شخصیت سے بے پرواہی نعمان بھائی کو بہت کھٹکنے لگی لڑائی جھگڑے پھر زور پکڑنے لگے تھے۔ وہ ایک عام سا دن تھا۔ نعمان بھائی دو دنوں سے کراچی گئے ہوئے تھے۔ زید' نعمان بھائی سے بہت مانوس تھا ان کے نہ ہونے کی بدولت اسے بخار ہو گیا تھا۔ رابعہ احمد کسی پارٹی میں جانے کے لئے بالکل تیار تھیں جب اچانک زید کا بخار تیز ہو گیا تھا۔ پینو (کام والی) کو ساتھ لے کر زید کو ڈاکٹر کو دکھا کر اُسے گھر بھیجنے کے ارادے سے گھر سے نکلی تھیں۔

ارادہ ان دونوں کو ڈرائیور کے ساتھ واپس بھیجنے کا تھا مگر ٹرک سے ٹکر نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ نعمان بھائی کی حالت ان دنوں پاگلوں جیسی ہوگئی تھی۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ زید کی چیزوں کو سامنے رکھ کر دیکھا کرتے۔ دادا کے سمجھانے پر انہوں نے دوبارہ پڑھائی شروع کی مگر ہنسی تو کہیں رکھ کر بھول گئے تھے۔ رحیم انکل سے ان کی بات چیت آج بھی نہ ہونے کے برابر ہے یہ انہیں بہت بعد میں معلوم ہوا تھا کہ ان کے باپ نے اپنی فیکٹری کی ساکھ سنبھالنے کے لئے اپنے بیٹے کو استعمال کیا تھا۔ رابعہ احمد اُن کی زندگی کا بھیانک خواب ہے۔

خودرو گھاس کی بہتات سے باغیچہ اجاڑ بیاباں کا منظر پیش کررہا تھا۔ فرنیچر پر پڑی سفید چادریں عفریت کا روپ دھارے اُس کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ دھول مٹی سے اٹے کمرے لٹکتے جالے چڑیوں کے گھونسلے اجاڑ گھر کی نشاندہی کررہے تھے۔ کمرے کے بیچوں بیچ کتنی دیر کھڑی وہ ماہ و سال کی گردش کا مشاہدہ کرتی رہی تھی۔ چہکاریں تو پہلے بھی کبھی یہاں نہ گونجی تھیں مگر ایسی ویرانی بھی تو نہ تھی۔ پاپا کی چیزیں جوں کی توں تھیں ان چیزوں سے لپٹی وہ کتنی دیر روتی رہی تھی۔ ماں کے کپڑوں پر ہاتھ پھیرتے اُسے وہی بھولا بسرا لمس یاد آنے لگا۔ ترتیب وار رکھی ڈائریوں پر اُس کی نگاہ نادانستہ ہی ٹھہری تھی۔

3-10-86 ”اپیا ان دنوں بہت خوش تھیں۔ ابراہیم بھائی تھے بھی بہت اچھے اپیا کی ان سے منگنی کیا ہوئی اپیا کے چہرے پر گلاب کھلنے لگے۔ عارض خون چھلکانے لگے۔ ان کی خوشیوں کو دیکھ کر میں اُن کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتی تھی۔ اُس دن ابراہیم بھائی کوئی کپڑے دینے آئے تھے جو ان کی امی نے بھیجے تھے۔ اپیا اسپتال جاچکی تھیں مجھے ذرا دیر سے جانا تھا۔ بھابھی چائے بنانے لگیں مجبوراً مجھے ہی کمپنی دینی پڑی تھی۔ امی گھر پر نہ تھیں ابراہیم بھائی بہت بے چین تھے یا مجھے لگے۔ میرے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی بھابھی نے مجھے ان کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ (Hospital) کے سامنے مجھے اتار کر وہ گاڑی بھگا کر لے گئے تھے۔ اپیا کو ان کے حوالے سے چھیڑنا کتنا اچھا لگتا مگر اُن کا لیا دیا انداز دیکھ کر مجھے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

”ہینڈسم بندے کچھ مغرور ہوا ہی کرتے ہیں۔“ آخر میں نے اپنی رائے محفوظ کرلی تھی۔

سوکھے پتے کی طرح لرزتی وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی آگے کئی صفحے اُس نے جلدی جلدی پلٹے تھے۔ ”اپیا کی منگنی، اپیا کی منگنی“۔

22-10-86 اسٹاپ پر کھڑے مجھے تھوڑی دیر ہوئی تھی جب سفید کرولا بیک ہو کر میرے عین سامنے آن رکی۔ ابراہیم بھائی کو سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر میں کچھ آگے بڑھی تھی۔

”آئیں میں چھوڑ دیتا ہوں۔“

”بس آنے ہی والی ہے میں چلی جاؤں گی۔“

میں نے سبھاؤ سے انہیں منع کرنے کی کوشش کی تھی مگر اُن کے اصرار پر مجھے بیٹھنا ہی پڑا۔

”زندگی ایک بار ہی ملتی ہے۔ اس میں کیے گئے غلط فیصلے ساری عمر بھگتنے پڑتے ہیں۔ میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ زندگی مجھے گزارے ایسا میں نے کبھی نہیں چاہا۔“ ان کی فلسفیانہ گفتگو مجھے عجیب الجھن میں مبتلا کررہی تھی۔

”اپنی مرضی کی زندگی گزارنا ہر انسان کا حق ہے۔“

”کیا خیال ہے آپ کا؟“

اچانک انہوں نے میری جانب رخ کیا تھا۔ میں ہڑبڑا ہی تو گئی منہ سے آواز نکل ہی نہ سکی تھی کیا پوچھنا چاہ رہے تھے وہ میں بالکل سمجھ ہی نہ پائی تھی جواب کیا دیتی۔ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ پھر گویا ہوئے۔

''ناکامی یا کامیابی تو بعد کی بات ہے کوشش تو ضرور کرنی چاہئے۔''

اُن کی پہیلیاں سمجھ سے بعید تھیں' شش وپنج میں ڈوبتی ابھرتی میں گھر پہنچی تھی اپیا سے کچھ کہتی بھی تو کیا' ایسا تھا کیا میرے پاس انہیں بتانے کو لیکن میری الجھن سوا ہوگئی تھی۔''

اگلے کئی صفحوں پر اسپتال کی روٹین بھابھی کا رویہ درج تھا اس کی ماں ڈاکٹر تھی۔ جو راز سولہ سال اُس سے پوشیدہ رہا تھا آج ننھی ڈائری نے اُس پر کھول دیا تھا۔

10-12-86 ''ڈاکٹر ابراہیم کے فون نے گھر کے درو دیوار کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے آنے والے کل سے خوف زدہ ہیں۔ گھر میں سکوت اور خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ دکھائی دیتی ہے۔ اپیا کو چھوڑ کر وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ فائزہ حسن سے' امی میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں۔ انہیں میں یقین دلاؤں تو کیسے' ابراہیم نفیس نے انہیں پورا یقین دلا دیا ہے کہ اس میں میری رضا بھی شامل ہے۔ اپیا مجھ سے ناراض ہیں۔ بھابھی نے کئی افسانے نمک مرچ لگا کر انہیں سناڈالے ہیں۔ جن کا میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ بھائی الگ ناراض ہیں۔

''رات فون کرتے تو کئی بار دیکھا ہے اسے میں نے' اور واپس بھی تو اسی کے ساتھ آتی ہے فائزہ۔''

بھابھی کا سفید جھوٹ مجھے دھکیل کر قصر ذلت میں لے گیا' میرے بارہا انکار کرنے پر بھی اپیا کا دل صاف نہیں ہوا۔ امی کے سامنے وضاحتیں کرتے میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم ٹھہری ہوں۔ کیا امی نہیں جانتیں کہتے ہیں ماں تو دلوں کے بھید بھی جان لیتی ہے یہ کیسی ماں ہے جو بیٹی کے صاف وشفاف کردار پر پڑے چھینٹوں کو نظر کا دھوکہ سمجھنے کے بجائے سچ سمجھ رہی ہے۔ کیا امی بھابی کے رویئے کو بھول گئی ہیں۔ بھابھی جو اپنے نکمے بھائی کے لئے مجھے مانگتی رہی ہیں اور انکار پر بھی بے مزہ نہیں ہوئیں۔''

بھیدوں بھری پٹاری کو سینے سے چمٹائے اُس نے سر اٹھایا۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ آنسوؤں کی دھند نے نگاہوں کے سامنے چادر سی تان دی تھی۔ پاتال میں ڈوبتی' ابھرتی وہ آگے بڑھنے لگی۔ بہت سے صفحوں پر گھر والوں کا رویہ' ماموں کی ناراضگی دیکھ کر اُس نے تیزی سے صفحے پلٹے تھے۔

12-1-87 ''جس شخص کی نگاہوں کی غلاظت نے رشتوں کے تقدس کو گدلا کر دیا وہ فائزہ حسن کی پسند کس طرح ہوسکتا ہے۔ امی میری شادی اُس سے کر دینا چاہتی ہیں لیکن اس سے پہلے میں مرجانا پسند کروں گی۔''

20-1-87 ''ساری عمران کے سامنے گزار کر ان کا اعتبار حاصل نہ کرسکی ماں' بہن بھائی کسی سے کیسا شکوہ' کیسا گلہ' گلہ شکوہ تو اپنوں سے کیا جاتا ہے۔ لیکن کیا اپنے' اپنے ہیں؟ چلتی پھرتی لاش کے لئے برابر ہے کہ وہ یہاں رہے یا کہیں اور۔''

25-1-87 ''میری میت گھر سے رخصت کرتے وقت کسی کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں نکلا' آنسو تو میری آنکھ سے بھی نہیں نکلا' آنکھوں کے سوتے کب کے خشک ہو چکے ہیں۔ مجھ جیسی بزدل لڑکیاں نہ سلیقے سے جینے کا ڈھنگ جانتی ہیں اور نہ

قرینے سے مرنے کا۔ اس کے گھر والوں نے بھی مجھے قبول لنے سے انکار کردیا اچھا کیا ''مجھ جیسی گناہ کی پوٹ'' کو بھلا کوئی کیوں برداشت کرے۔''

پے در پے انکشافات نے اُسے ادھ موا کردیا تھا۔ ماں کے دکھ پر تڑپ تڑپ کر روتے وہ اپنے آپ کو ان کی جگہ محسوس کرنے لگی۔ اُس کے حواس نے ایک دم ہی اُس کا ساتھ چھوڑا تھا وہ فرش پر ہی لڑھک گئی تھی۔

بخار کا زور ایک دن بعد ٹوٹا' مرجھایا' زرد چہرہ سرسوں کا پھول بنا سب کو ہولا رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اُس کے خوابیدہ حواس بیدار ہونے لگے' ماضی کا ڈراؤنا عفریت نوکیلے پنجے کھولے اُس کی جانب بڑھا تھا۔ ماں کی بے بسی اور پاپا کی بے حسی نے اُس کی آنکھوں کو اشکوں کا تحفہ دیا تھا۔

''شکر ہے بچی تمہیں ہوش تو آیا سب کو دہلا کر رکھ دیا تم نے تو اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

چچی اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھے فکرمند انداز سے گویا تھیں۔

''بیٹا ہم سب ہیں نا تمہارے۔''

اُسے سنبھلنے میں کچھ دن لگے تھے۔ ساری رات جاگتی رہتی۔ نیند اُس سے روٹھ گئی تھی۔ وہ تو بڑی خوش باش رہنے والی لڑکی تھی۔

وہ اس کی جانب مڑی جو چمکیلی صبح جیسا روشن ترو تازہ چہرہ لئے اُس کے سامنے تھی۔

''تمہارے لئے سرپرائز ہے بوجھو تو جانیں۔''

ردا کی جانب دیکھتی وہ بالکل لاعلم تھی۔ ردا نے بھی اُسے زیادہ دیر انتظار نہ کروایا۔

''بھئی تمہارا رزلٹ آ گیا ہے اور فرسٹ ڈویژن کے ساتھ پاس ہوئی ہو۔ سب کو بتا کر تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ ٹریٹ پکی کنجوس مکھی چوس۔'' ایک خوبصورت مسکراہٹ نے اُس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

''آج شام ہم سب کی طرف سے تمہارے لئے ایک پارٹی اور پھر تم بھی تیار رہنا دینے کے لئے۔ میں تو ویلج میں ہائی ٹی (High Tea) لوں گی' یاد رکھنا۔''

اُس کی خوشی میں خوش ردا ایسی ہی تھی۔ بہت دنوں کے بعد اُس نے بھی خود کو پرسکون محسوس کیا تھا۔

پارٹی میں سب سے آخر میں آنے والی وہی تھی۔ نبیل اور نعمان بھائی باتوں میں مصروف تھے۔ افروز آنٹی اور چچی کپڑوں پر تبصرہ کر رہی تھیں۔ چچا اور دادا بزنس کے امور ڈسکس کر رہے تھے۔ کچن سے نکلتی ندا اُس کی طرف آئی تھی۔

''مہمان خصوصی تو اب آئے ہیں تیاری ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔''

''خواتین کے لئے تو کئی گھنٹے بھی کم ہیں لیپا پوتی کے لئے۔''

نبیل ایک دم اُن کی باتوں میں شریک ہوا تھا۔ نیلے اور سرخ بلاک پرنٹ کے سوٹ میں لمبے بالوں کی چوٹی بنائے اس کا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے عاری سادگی کا نمونہ تھا۔

دادا اور چچا نے بہت سی دعاؤں کے ساتھ اُسے گفٹ دیئے تھے۔ افروز آنٹی اور چچی نے بھی ملتانی کڑھائی کے سوٹ دیئے۔ نبیل' نعمان' ندا اور ردا نے بھی اُسے گفٹ دیئے تھے۔ اتنی ساری محبتوں کو پا کر اُس کے روم روم میں شانتی اتر گئی۔ یہ خصوصی التفات اُس کی طبیعت کی بدولت تھے۔ وہ سب اداسی کے گرداب سے نکلنے میں اُس کی مدد کر رہے تھے۔ آج اُسے ستارہ رہ رہ کر یاد آ رہی تھی۔ اُس دن کے بعد

Digest Novel Lovers group

سے اُس کا رابطہ ستارہ سے نہ تھا۔

''پتہ نہیں کیسی ہوگی؟''

''ماں باپ کی محبت سے محروم لڑکیاں سمندر کے سینے پر ڈولتی کشتیوں کی طرح ہوتی ہیں اگر ہوا موافق ہوتو ساحل تک لے جائے ورنہ طوفان کے تھپیڑے بے رحم موجوں کے ساتھ مل کر ڈبو دیتے ہیں۔''

''تم سے بچھڑے دو سال ہونے کو ہیں نہ جانے پاپا نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟''

اُس دن بہت ضد کر کے ردا اُسے اپنے ساتھ ویلیج لائی تھی ندا کی وجہ سے ردا نے نبیل کو بلا لیا تھا۔ ویلیج میں ہائی ٹی کے بعد ریس کورس کا میلہ دیکھنے کی فرمائش بھی ردا کی تھی۔ مختلف اسٹالز دیکھتے دیکھتے وہ ندا' ردا سے کچھ پیچھے رہ گئی جب کوئی قدم بہ قدم اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ نبیل بھائی کو ساتھ چلتے دیکھ کر اُس نے قدم ذرا تیز کئے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''ٹھیک ہے۔'' مختصر جواب دے کر اپنے آپ میں مگن وہ چلتی رہی۔

''کم بولنا آپ کی عادت ہے یا آپ نے وہ مشہور مقولہ سن لیا ہے کہ کم بولنا عقل مندی کی نشانی ہے۔'' نبیل کی چہکتی ہوئی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی اُس نے ذرا کی ذرا سر اٹھایا اور پھر جھکا کر چلنے لگی۔ بڑے اچھے موڈ میں وہ اُس سے مخاطب تھا۔

''میرے خیال میں کم بولنے والے اپنے آپ کو چھپا رہے ہوتے ہیں۔ بولنے سے آپ کی شخصیت کی خوبیاں' خامیاں' رویئے' دلچسپیاں' قابلیت' عادات و خصائل اور رجحانات ظاہر ہوتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو چھپانا چاہتا ہے کم بولتا ہے۔'' اُس کے ساتھ ساتھ چلتے اُس نے ذرا رک کر اُس کی طرف دیکھا تھا۔

''لیکن ضروری نہیں آپ میری رائے سے متفق ہوں یا واقعی آپ بھی...... بولا کریں' ہنسا کریں اتنی عمر میں آپ کا یوں اداس و ملول رہنا کچھ بھاتا نہیں اور پھر حسن تو مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہی بھلا لگتا ہے' مسکراہٹ سے انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسکرانا کامیابی کی دلیل ہے نہ مسکرانے والے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔''

گہری سوچ میں گم اُسے سنتے ہوئے چلتی رہی۔

''جن کے دل مر چکے ہوں' جگر سوختہ ہوں وہ مسکرائیں تو کیسے' بولیں تو کیا بولیں' ہاں میں چھپانا چاہتی ہوں اپنے آپ کو اپنی زندگی' اپنے ماضی اور اس سے وابستہ ہر چیز کو' ہر چیز کو کاش کوئی ایسی جگہ ہوتی جہاں میں خود بھی چھپ سکتی سب کی نظروں سے۔''

بغیر کوئی جواب دیئے قدم بڑھا کر وہ اور لوگوں کے ساتھ جا شامل ہوئی تھی۔ ندا نے بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

خزاں رُت نے ہر طرف ڈیرے ڈالے تھے۔ بہار کا موسم خزاں کے بے رحم ہاتھوں تخت و تاراج ہو چکا تھا۔ پھول مرجھا گئے تھے۔ سوکھی ٹہنیاں اپنے ٹنڈ منڈ ہونے پر واویلا کرتی دکھائی دیتیں۔ ٹنڈ منڈ درخت پرندوں کی چہکاروں سے خالی اداس تھے ہر طرف ویرانی ہو کا عالم تھا یا اُسے یہی لگتا دل کی ویرانی نے ہر سُو ویرانی دکھائی تھی۔ سنگی بینچ پر بیٹھی وہ کتنی دیر درختوں کی ویرانی دیکھتی رہی تھی۔ ندا اور ردا اُس کا ساتھ زیادہ سے زیادہ دیتیں مگر تنہا ہوتے ہی سوچیں اُس کا گھیراؤ کر لیتیں۔

بابا کی آئیڈیل شخصیت کا بت ٹوٹ کر ایسا چور چور ہوا تھا کہ اُس کے ہاتھ ان کرچیوں کو اکٹھے کرتے کرتے فگار ہو چکے تھے۔ انہی اداس دنوں فریحہ افروز

آنٹی کی بیٹی کی شادی کا ہنگامہ جاگا تھا۔ ندا اور ردا بہت پُرجوش تھیں اسے بھی شاپنگ کے لئے ساتھ گھسیٹ لیتیں اُس دن بھی وہ اُسے ساتھ لے گئی تھیں اور یگا اور سٹی ٹاور میں شاپنگ کرتے انہوں نے کئی گھنٹے لگا دیئے تھے۔ شام کے گہرے ہوتے سائے انہیں ہولانے لگے۔ بلیک کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ پر نعمان بھائی کو بیٹھے دیکھ کر اُن کی جان میں جان آئی تھی۔

''ڈرائیور کدھر تھا جو تم لوگ یوں بے وقوفوں کی طرح منہ اٹھائے کھڑی تھیں۔''

''امی کو آنٹی کی طرف جانا تھا۔ اس لئے۔''

''مجھے فون نہیں کرسکتی تھیں اگر ادھر سے نہ گزرتا تو شام کے سائے گہرے ہورہے ہیں کتنی بار تم لوگوں سے کہا ہے مگر......''

آج موڈ کچھ بہتر تھا انداز پھاڑ کھانے والا نہ تھا۔ انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

''بھائی آج ہم نے ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کی۔ ریم تو کچھ لے نہیں رہی تھی مگر اُس کو بھی ہم نے سوٹ دلوائے ہیں۔'' ردا اُس کے موڈ کی پروا کئے بغیر بولتی چلی گئی۔ پُرسکون انداز میں ڈرائیونگ کرتا وہ خاموش ہی رہا تھا۔

''کتنا مزا آئے گا ناں' کتنے دن رہ گئے ہیں۔''

ہاتھوں پر دن گنتے وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہورہی تھی۔ بہت عرصے بعد قریبی شادی آئی تھی۔ جوش و خروش دیدنی تھا۔

''نعمان بھائی آئس کریم کھانی ہے۔''

اُس کا بہتر موڈ دیکھ کر اُس کا حوصلہ بڑھا۔ ردا کی فرمائش پر اُس نے گاڑی روک کر ان کے پسندیدہ فلیور لا دیئے تھے۔ اُس کا آج کا رویہ انہیں حیرت زدہ کرگیا تھا کچھ دنوں سے اُس کے بدلے بدلے انداز انہیں حیرت میں ڈال رہے تھے۔ انہیں گھر کے سامنے اتار کروہ گاڑی زن سے بھگا لے گیا تھا۔

''ردا تم نے غور کیا۔''

''نعمان بھائی کچھ بدلے بدلے سے ہیں۔''

ندا نے انکشاف کیا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے ہونہ ہو کوئی خاص بات ہے۔''

''خاص بات بھلا کیا ہوگی۔ یہ تو مجھے پتہ نہیں لیکن کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے۔''

اُس کا بدلتا موڈ اور بدلے بدلے انداز محسوس تو اس نے بھی کئے تھے مگر۔ افروز خالہ کی پرزور فرمائش پر وہ بھی اُن کے ساتھ آئی تھی۔ ردا' ندا کے ساتھ انجوائے کرتے اُسے سب کچھ اچھا لگا۔ ستاروں سے چمکتی رات میں مہندی بہت دھوم دھام سے آئی تھی۔ پیلے جامنی کمبی نیشن کے سوٹ پر ہم رنگ چوڑیاں اور لمبے بالوں کی ڈھیلی چوٹی کئے وہ کئی لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ ہر جگہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ تھی۔ ندا' ردا کے ساتھ بھنگڑا دیکھتے وہ اردگرد سے بیگانہ تھی۔ نعمان بھائی کو عام دنوں سے مختلف حلیے میں دیکھ کر وہ اُن کی طرف کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔ لمبا قد سفید سوٹ میں اور بھی نمایاں ہورہا تھا کسرتی جسم کے ساتھ کسی طرح بھی وہ اٹھائیس سے زیادہ کے نہ لگتے۔ ایک بے نام کشش اُسے ان میں ہمیشہ محسوس ہوتی۔ آج اچانک اس کی وجہ سمجھ آئی تھی۔ پاپا سے کتنے ملتے تھے نعمان بھائی ویسی ہی شکل وصورت وہی انداز وہی اطوار ہاں طبیعت میں فرق تھا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو' نظر لگ جانے کی حد تک۔''

وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی نبیل اُس کے بے انتہا قریب تھا۔ اُس کے گلابی مکھڑے پر نگاہیں جمائے وہ اُس کا سرتاپا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹی۔

''اس دل کا کیا کروں جو تمہیں دیکھنا چاہتا ہے تمہاری جانب ہمکتا ہے۔ بے اختیاری سی بے اختیاری ہے۔''

اُس کا چھچھورا انداز اُسے سلگا ہی تو گیا تھا۔ تھپڑ مارنے کی شدید خواہش دل میں لئے وہ غصے میں بولی۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ' آپ کو شرم آنی چاہئے ایسی باتیں کرتے۔ کیوں کرر ہے ہیں آپ ایسا؟ ندا کیا سوچے گی؟'' تھوڑی دور کھڑی ندا کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا۔

''ندا کا ذکر یہاں کہاں آ گیا؟'' برا سا منہ بناتے وہ اُسے پوری جان سے سلگا گیا۔

''چلے جائیں آپ یہاں سے ایسا نہ ہو کہ......'' ردا کے قریب آنے پر اُس کی بات نامکمل رہ گئی تھی۔ اُس کی طرف دیکھتا وہ دور چلا گیا۔ فنکشن میں کیا ہوا کب فریحہ کو لا کر بٹھایا گیا اُسے کچھ خبر نہ تھی۔

''ریم تم ٹھیک تو ہوناں؟'' ندا نے اس کا بازو ہلایا تو وہ ہوش میں آ گئی۔

''آں' ہاں......ٹھیک نہیں میرے سر میں بہت شدید درد ہے میں گھر جانا چاہتی ہوں' نعمان بھائی کو دیکھتی ہوں شاید وہ چھوڑ دیں۔'' اُسے بتا کر وہ رکی نہیں تھی۔

''نعمان بھائی' پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں۔'' اُس کا بازو ہلا کر اپنی جانب متوجہ کرتی وہ متوحش سی تھی۔

وہ جو ابھی دوست کے ساتھ یہاں آیا تھا اُس کی اڑتی رنگت اور گم ہوتے حواس دیکھ کر پریشان ہو اٹھا۔

''خیریت؟ آج تو سبھی کو یہیں رہنا تھا پھر۔''

''وہ میرے سر میں بہت درد ہے۔'' دو بے چین آنسو مژگاں کی باڑ پھلانگ کر آزاد ہوئے تھے۔

''چچی کو بتا دیا ہے؟''

''جی۔''

''اب بتاؤ کیا پریشانی ہے؟'' گاڑی سڑک پر ڈالتے اس نے پوچھا تھا۔ اُس کی ذرا سی ہمدردی پاتے ہی آنسوؤں کا ریلا تھا جو قابو کرنے کی خواہش کے باوجود گالوں تک آیا تھا۔ اُس کے آنسو دیکھ کر وہ بھی بوکھلا گیا۔

''ریم کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ بھی۔'' گاڑی ایک طرف روک کر اُس نے پوچھا وہ جھنجلا ہی تو گیا تھا۔ اُس کے کندھے پر سر دھرے وہ دھواں دھار رو رہی تھی اُس کے حواس مختل ہوئے جارہے تھے ایسی سچویشن سے اس کا پہلے واسطہ کہاں پڑا تھا۔

''کچھ نہیں سر میں شدید درد ہے۔'' اپنے آپ کو سنبھال کر اُس سے الگ ہوئی۔ اُس کا کھوکھلا لہجہ یقین سے عاری تھا۔ اُس نے یقین کیا تھا یا نہیں ہاں مگر چپ ضرور ہو گیا تھا۔ گاڑی سے اترتے ہی اُس نے اندر کا رخ کیا۔

''میری زندگی میں پہلے کیا کم مشکلیں ہیں...... نبیل کی ہر لحظہ بولتی نگاہیں......'' سوچ سوچ کر اُس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

☯☯☯

ردا' ندا نے بہت سر پٹخا' افروز خالہ کے بیسیوں فون آئے مگر وہ باقی فنکشنز میں شریک نہ ہوئی' طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنائے وہ اپنے فیصلے پر ڈٹی رہی۔ سب کے لئے اُس کا رویہ حیرت کا باعث تھا۔ نعمان احمد کی سوچتی نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ یہ چھوٹی سی لڑکی جانے کیوں دل کے قریب سی محسوس ہونے لگی تھی۔ شادی کے ناکام تجربے نے اُسے عورت سے متنفر کر دیا تھا۔ مگر اس دل کا کیا کرتا جو سردیوں کی شام ایسی لڑکی کی جانب ہمکتا تھا۔ اندھیرے گوشے میں سنگی بینچ پر بیٹھی وہ اندھیرے کا

Digestlibrary.com

حصہ لگ رہی تھی۔ باغ کے اس گوشے میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ خالی الذہنی کی کیفیت میں بیٹھی وہ اردگرد سے بے نیاز تھی۔

''نہیں یار ایسی تو کوئی بات نہیں، بس آج کل مصروفیت۔'' اندر شاید سگنل نہیں آرہے تھے اس لئے وہ اپنا سیل فون لئے باہر آیا تھا۔

''تم سناؤ کیسی جارہی ہے؟''

''اچھا تو یہ مزے ہیں۔'' ''یعنی ایک چھوڑ دو نہیں ہماری ایسی قسمت کہاں ایک بھی نہیں ملتی۔'' مسکین سی آواز بنا کر اُس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ اتنی پرسنل گفتگو مجبوری کے عالم میں سنتی رہی وہ وہاں سے جا بھی نہیں سکتی تھی۔

''یار اتنی مرتی ہوتیں تو ابھی تک اس طرح.....''

بات کرتے کرتے اُس کی نگاہ اچانک ہی اس گوشے میں گئی تھی اُسے اندھیرے میں بیٹھا دیکھ کر اُس کا والیوم کچھ آہستہ ہوا اور وہ خود بھی کچھ فاصلے پر ہوا تھا۔ اس کے بلند آہنگ قہقہے نے سکڑتے، سسکتے، سہمتے ماحول کو یک دم زندگی دی تھی۔

جانے نہ جانے کی کشمکش میں گرفتار ابھی وہ وہیں تھی جب سیل آف کر کے وہ اُسے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔

''اُس وقت یہاں اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو؟''

مدہم لہجہ ناگواری کا تاثر لئے ہوئے تھا۔

''نیند نہیں آرہی تھی اس لئے یہاں.....'' اس کی بھرائی ہوئی آواز روتے رہنے کی چغلی کھا رہی تھی۔

''حقیقت تلخ ضرور ہوتی ہے مگر اُس کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ نہ انسان حال کا رہتا ہے اور نہ مستقبل کا۔ زندگی روتے رہنے سے کبھی گزرتی نہیں حالات کیسے بھی ہوں گزر ہی جاتے ہیں۔ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہی کنارے لگتے ہیں۔'' اُس کے نرم لہجے اور ہمدردی نے اُس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

''ایڈمیشن تو کھل گئے ہیں ناں تم نے فارم جمع کروایا یا نہیں ابھی تک۔''

''نہیں ابھی نہیں کروایا۔ فریحہ باجی کی شادی کی وجہ سے تھوڑا لیٹ ہوگئی ردا بھی تو گھر پر نہیں کل شاید آخری تاریخ ہے۔'' ایک دم اُس کے بات پلٹنے پر اُسے بھی یاد آیا کہ کل آخری تاریخ ہے۔

''تیار رہنا صبح سویرے میں لے جاؤں گا۔ ضروری ڈاکومینٹس اپنے ساتھ رکھ لینا۔''

تشکر کے ساتھ اُس کی طرف دیکھتے وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ اُس کا دل ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ مگر اُسے معلوم نہ تھا کہ کل کا سورج ایک نئی آزمائش لئے اس کا منتظر ہے۔

☺☺☺

فرحانہ خالہ کبھی کبھار ہی نانو کی طرف چکر لگاتیں مگر تب بھی اُن کا لئے دیئے رہنے والا انداز شرارتی، موڈی ستارہ کو اُلجھن میں ڈال دیتا۔ جتنا وہ ان کے قریب لگتی اتنا ہی وہ اُس سے دور ہوتیں۔ نانو اور ممانی کا رویہ اُس سے بہت اچھا تھا۔

''اماں میری زندگی میں گھولے اُس زہر کو آپ فراموش کرسکتی ہیں میں نہیں۔ کیوں لے آئی ہیں اسے آپ یہاں، یہ بھی تو اُسی کی بیٹی ہے۔''

خالہ کی آواز اُس نے اندر آتے سنی تھی پھر قدم جہاں تھے وہیں جم گئے تھے آگے بڑھنے کی سکت اُس میں نہ تھی۔

''گزری باتوں کو بھول جاؤ فرحانہ، مرنے والے شخص کی آخری خواہش کا احترام کیا ہے میں نے اور پھر اس معصوم کو کیا علم۔''

''وہ بھی تو ایسی ہی معصوم لگا کرتی تھی ناں آپ کو۔''

اُس سے باہر ٹھہرے رہنا مشکل ہوگیا۔ آج وہ اس نفرت کی وجہ جان کر رہے گی وہ بھی کہاں اپنی سوچ سے ہٹنے والی تھی۔

''کیوں نفرت کرتی ہیں خالہ جان آپ مجھ سے میری ماں سے جیسے میں آپ کے قریب آتی ہوں اتنا ہی آپ مجھے جھٹکتی ہیں کیوں؟ ایسا کیا کیا ہے میں نے؟''

''جو تمہاری ماں نے بویا ہے وہی کاٹ رہی ہو تم۔'' بہت سالوں کا جمع ہوا غبار لاوا ایک دم پھٹا تھا اور وہ گم ہوتے حواسوں کے ساتھ سُن کھڑی تھی۔

بہت ڈھٹائی سے اپنے بیٹے کی پسند کا ذکر کر کے افروز آنٹی نے دھماکہ کیا تھا۔ ندا کی کاٹ دار نظریں اندر تک اُسے گھائل کر رہی تھیں۔

''جس کی ماں نے اپنی بہن کا حق لیتے' اُس پر ڈاکہ ڈالتے کچھ نہ سوچا اُسے اپنی چچازاد کا خیال کیسے آتا۔ اُسی کی بیٹی ہے ناں' معصومیت تو دیکھو فرشتوں کو مات دیتی ہوئی اور کرتوت۔''

''میرا ہی گھر ملا تھا اجاڑنے کو۔''

چچی کی دو دھاری تلوار کی کاٹ اُسے اپنی رگیں کاٹتی محسوس ہوئی سب ہی تو جمع تھے وہاں خاموش بیٹھے چچا' نفرت سے اُسے گھورتے' دادا' زہر میں بجھے تیر لفظوں کی صورت اُس کے دل میں اتارتی چچی اور نفرت سے مسخ شدہ چہروں کے ساتھ ندا اور ردا کوئی بھی تو اُس کا اپنا نہ تھا۔ دشمنوں کی لگائی آگ تو دوست بجھا دیتے ہیں لیکن اپنوں کی لگائی آگ بجھانے کون آئے گا۔ ٹکر ٹکر سب کی صورتیں دیکھتی وہ سب کچھ سُن رہی تھی مگر اپنی صفائی میں کچھ بھی کہنا اُسے یاد نہ تھا کوئی لفظ ایسا نہ تھا جو اُسے کہنا ہو۔ نبیل نے ندا کو چھوڑ کر اُسے مانگا تھا۔ اس میں اُس کا قصور کیا تھا۔ کیا وہی پرانی کہانی پھر دہرائی جانے والی تھی۔ صرف کردار تبدیل ہوئے تھے۔ اس کی ماں کی جگہ مطلوب وہ تھی۔ تماشے کا سب سے اہم کردار۔ مرکزی کردار۔

''ریم! تمہاری چچی کیا کہہ رہی ہیں۔ نبیل اور افروز۔'' دادا نے سوال اُسی سے کیا تھا مگر وہ تو حال میں تھی ہی نہیں۔ ڈائری میں لکھے لفظ اُس کی آنکھوں کے سامنے رقص میں تھے۔

''دیس نکالا میرا مقدر ٹھہرا' سب نے مجھے قبولنے سے انکار کر دیا' قصور نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم میں ہوں' مجرم ہوں میں مجرم ہوں' گناہ کی پوٹ کو برداشت کیوں کریں۔

''ریم کیا تم بھی نبیل سے؟'' دادا کا سخت و کرخت لہجے میں کیا گیا سوال اُسے حال میں کھینچ لایا تھا۔ شرمندگی سے زمین میں گڑتی ایک چیخ اُس کے ہونٹوں سے برآمد ہوئی۔

''نہیں' جس شخص کی نگاہوں کی غلاظت نے رشتوں کے تقدس کو گدلا کر دیا وہ میری پسند ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کبھی نہیں۔'' سپاٹ لہجے میں کہتے اُسے اپنی ماں کا چہرہ یاد آیا تھا کیسی بے بس ہوگی وہ اُس وقت۔

''یہی ڈرامے بازیاں تو لبھاتی ہیں' دوسروں کو۔''

چچی کی زبان قابو میں نہ تھی ان کا بس نہ چلتا کہ اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔

''پھر نبیل نے ایسا کیوں کہا کہ وہ صرف تم سے......'' چچا کی سوچتی نگاہیں اور ٹھہرا ہوا پرسکون لہجہ ان کی ٹھنڈی طبیعت کا غماز تھا۔

''یہ آپ کو اُس سے ہی معلوم کرنا چاہئے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا۔ میں کسی کے عمل کے لئے جواب دہ نہیں ہوں۔'' نہ جانے اُس میں اتنی طاقت و سکت کہاں سے آ گئی تھی جوان سب کے سامنے ڈٹی اُن

کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔
''میں تو کہتی ہوں چلتا کریں اسے اُس کے ساتھ' اس سے پہلے کہ یہ دوسروں کی زندگیاں کالی کرے۔''
''اس جیسی لڑکیاں پہلے دوسروں کو اتنا حوصلہ بخشتی ہیں پھر خود مکر جاتی ہیں۔ دوسروں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لئے اگر اس نے اُسے حوصلہ نہیں بخشا تو اُس میں اتنی جرأت کیسے پیدا ہوگئی کہ اپنی خالہ زاد کو چھوڑ کر ایسے کیا ہیرے لگے ہیں جو میری معصوم بچی میں نہیں...... ہاں عشوے وغمزے اس جیسے نہیں ناں۔''
وہ نہ جانے کب وہاں آیا تھا۔ چچی کی زبان کی ترشی سے وہ بھی واقف تھا مگر جیسے وہ اس کی شخصیت کے بخیئے ادھیڑ رہی تھیں اُس سے برداشت نہ ہوسکا۔
''بس چچی جان بس' بہت ہوگیا۔ جب وہ اس بات سے انکاری ہے۔ اُس سے کسی بھی قسم کے تعلق کے لئے تیار نہیں تو پھر بے چینی کس بات کی ہے آپ کو۔ آپ کیوں اپنا فیصلہ اُس پر مسلط کرنا چاہتی ہیں۔''
''یک نہ شد دو شد۔''
''دیکھا میں صحیح کہتی ہوں ناں' کیسے بڑھ بڑھ کے اُس کی حمایت میں بول رہا ہے۔ گھر کے کسی معاملے میں تو آج تک دلچسپی لی نہیں...... اور۔''
اُن کی کھلی اور معنی خیز باتیں اُسے سر سے پیر تک سلگا گئی تھیں مزاج تو وہ پہلے ہی آتشیں رکھتا تھا وہ پھٹ ہی تو پڑا تھا۔
''چچی۔ آپ کیا سمجھتی ہیں آپ کے اس طرح کہنے سے صحیح غلط اور غلط صحیح ہوجائے گا تو خام خیالی ہے آپ کی۔ اس ذرا سی بچی پر آپ کو ترس نہیں آیا۔ اس طرح کے بہتان لگانے میں۔'' نفرت وغصے میں وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔
''فہیم' اپنی بیوی کو سمجھاؤ' اپنی زبان قابو میں رکھے۔ ابھی میں زندہ ہوں فیصلے کرنے کے لئے اور تم نے اتنا اختیار اُسے دے کر اچھا نہیں کیا۔'' نفیس احمد کا ٹھہرا ہوا لہجہ ایک لمحے کو سب کو خاموش کرا گیا۔
''ریم بیٹا! ادھر آؤ' ادھر میرے پاس۔'' اُن کے لہجے اور انداز میں جھلکتی محبت نے اُس کی آنکھیں نم کردی تھیں۔ آہستہ آہستہ چلتی وہ اُن کے پاس آ بیٹھی۔
''دادا جان مجھے صرف آپ کی محبت و اعتماد کی ضرورت ہے۔'' اُس یقین کی جس کو ترستی ہوں میں آج تک۔ میں رشتوں سے دور ہو کر کبھی زندگی نہیں گزارنا چاہتی اپنے بابا' ماں جیسی زندگی کی خواہش کبھی بھی نہیں رہی میری۔'' بہتی آنکھوں کے ساتھ اُس نے بات مکمل کی۔ انہوں نے اُسے اپنے ساتھ لگالیا تھا۔
''فہیم افروز کو آج ہی فون کر کے بتادو ہم اُن سے کوئی بھی کسی بھی قسم کا رشتہ کرنے کے لئے تیار نہیں' نہ ریم کا اور نہ ندا کا' اور آج کے بعد اگر وہ عائشہ کی بہن کی حیثیت سے آتی ہے تو ٹھیک لیکن اگر کسی اور نیت سے اس طرف آئی تو......''
''جہاں تک ریم کا تعلق ہے اس کے لئے میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ کل ریم کا نعمان کے ساتھ نکاح ہے۔ عائشہ تم تیاری کرلو ریم کے بہت اچھے سے کپڑے لے لینا۔''
انہوں نے فیصلہ کر کے ریم کی طرف دیکھا جو خالی نظروں سے اُن کی جانب تک رہی تھی۔
''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' انہوں نے اپنا ہاتھ ریم کے سر پر رکھا۔
کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر اُس کا سر بے اختیار ہی نفی میں ہلا تھا۔
''مگر مجھے اعتراض ہے بابا جان۔'' ساکت تو وہ

بھی رہ گیا تھا اُن کے فیصلے پر مگر بروقت سنبھال کر خود کو بمشکل ان کے قریب لایا۔

''بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ریم مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔ بہت چھوٹی مجھ سے آدھی عمر کی۔ اور پھر میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا مجھے شادی کرنی ہی نہیں۔ میں آپ سے کئی بار پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ ایک ہی تجربہ میرے لئے بہت ہے۔ آپ کھائی سے بچا کر اُسے کنویں میں دھکا دینا چاہتے ہیں، نہیں کبھی نہیں میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گا۔'' اپنی بات کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

''پھر میری بھی سنتے جاؤ، اگر تم ایسا نہیں چاہتے اور نہ ہی کبھی ایسا چاہو گے تو پھر میں نبیل کو ہاں کردوں گا۔''

''عائشہ افروز کو بلاؤ اس سے معاملات طے کرنے ہیں۔'' دبنگ لہجے میں کہتے رکے وہ بھی نہیں تھے۔

اُس نے دہل کر اپنا سینہ تھاما تھا کیا ہو رہا تھا اُس کے ساتھ، کیا ہونے والا تھا۔

شیر کی طرح کمرے میں چکراتے وہ پوری طرح بے بس تھا۔ سوچتے سوچتے اُسے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ عمروں کا فرق نظر انداز کرنے والا نہ تھا۔ اپنی پوری زندگی میں اتنا بے بس وہ کبھی نہ ہوا تھا۔ کچھ فیصلہ کرکے وہ اس کے دروازے کے سامنے تھا۔ دستک کی آواز پر دروازہ کھلا سوجی آنکھوں بکھرے بالوں کے ساتھ وہ اُس کے سامنے تھی۔ اچانک ہی اُسے اُس پر بری طرح غصہ آیا تھا۔

''تم نے انکار کیوں نہیں کیا۔ ایک عمر رسیدہ شخص کا ساتھ تمہیں کیا دے گا، کیا دے سکتا ہے؟''

''مجھے دادا کے فیصلے سے کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں اگر افروز خالہ کو ہاں ہوئی تو میں اپنی ماں کی طرح زندگی بلکہ ذلت آمیز زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دوں گی میں اُن کی طرح بزدل نہیں جو گناہ میں نے کیا نہیں اُس کا خمیازہ اگر مجھے بھگتنا ہی ہے تو پھر موت کی صورت سہی۔''

دروازہ بند کرکے اُس نے اُس کے پاس ''ہاں'' کے علاوہ راستہ نہ چھوڑا تھا۔

میں یعنی نعمان رحیم احمد ساری عمر محبت کو ترستا رہا لیکن محبت کی بجائے بے اعتباریاں اور بے اعتنائیاں میرا مقدر ٹھہریں۔ برگر فیملی کا المیہ ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ پاپا اور مما کی شادی پسند کی تھی مگر شکوک و شبہات کے لہراتے سانپ ان کی ازدواجی زندگی میں رینگتے بالآخر میری خوشیوں اور سکون کو ڈس گئے۔ شادی کے تین سال بعد ہی اُن میں علیحدگی ہوگئی تھی۔ دادا کی بے پایاں محبت بھی مجھے سکون نہ دے سکی۔ مما کی دوسری شادی نے پاپا کے شک کو یقین میں بدل دیا تھا۔ شادی کرنے میں دیر انہوں نے بھی نہیں لگائی تھی کیسے ماں باپ تھے جو بیٹے کو نظر انداز کرکے اپنی خوشیوں کے متلاشی تھے۔ محبتوں کو ترستا میں بڑا ہوتا گیا۔ میری محرومیاں میرے ساتھ ساتھ تھیں۔ شادی سے پہلے کی محبتیں چھپ چھپ کر ملاقاتیں کرنا مجھے ہمیشہ نفرت انگیز لگا کرتا۔ (ہونہہ یہی لڑکیاں چپ چاپ کہیں اور شادی کرکے گھر بسائیں گی اور دوغلی زندگی گزارتے مجھ جیسے محرومیوں کے مارے پیدا کریں گی) میری وجاہت Personality نے بہت سی لڑکیوں کو میری طرف مائل کیا مگر میں نے بڑی حقارت سے ان کو دھتکار دیا۔ میں دوغلی زندگی کا قائل نہ تھا۔ شادی اور شادی کے بعد محبت میری زندگی کی راہیں تو متعین شدہ تھیں۔ ہمیشہ سے) اپنی خوبصورتی کا احساس رکھتے ہوئے بھی میں نے کبھی اسے کیش کرانے کی کوشش

Novels Lovers Group Digest

نہیں کی۔ بی بی اے کا امتحان دے کر فراغت محسوس ہوئی تھی کہ پاپا نے میری شادی کی بات چھیڑ دی بابا سے مجھے محبت تو کبھی بھی نہیں رہی مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کہ وہ میرے والد ہیں۔ رابعہ احمد پاپا کے دوست خالد احمد کی بیٹی تھی۔ بڑی طرحدار خوبصورت اور اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی عورتیں اوران کے مشاغل مگر میں بھی تو اس سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہوں میں نے اپنی زندگی جان کر اُس پر چاہت کے پھول نچھاور کیے تھے مگر کلب پارٹیز کی دلدادہ رابعہ احمد میری زندگی کی ادھوری خوشیوں کو مکمل نہ کرپائی۔ لڑائی جھگڑے تو تکار ممی پپا جیسی زندگی کی میں نے کبھی خواہش نہ کی تھی مگر مجھے ایسی ہی زندگی گزارنی پڑ رہی تھی۔ رابعہ کو ایک شوہر کی بجائے ایک مومی مجسمے کی ضرورت تھی جو شوہر کے حقوق ادا کرے اور رابعہ اپنے کام بخوبی سرانجام دیتی رہے۔ زید کی آمد نے میری بجھی آنکھوں کو دوبارہ روشن کردیا تھا۔ اپنی محبتوں کے خزانے اُس پر لٹانے کے بعد بھی میں تہی نہ ہوتا۔ اپنی اولاد کو بہت سی محبت دینا میرا اپنے آپ سے وعدہ تھا۔ رابعہ کی دلچسپیاں اب بھی وہی تھیں مگر اب مجھے اُس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ زید کی محبت نے مجھے اندر تک سرشار کردیا تھا' ہاں مگر ایک خانہ اندر کہیں خالی تھا عورت کی محبت' چاہت' الفت' وابستگی اور اظہار کا خانہ جسے رابعہ جیسی نامکمل عورت پُر نہ کرسکی تھی۔

وہ دن میری زندگی کا بھیانک ترین دن تھا۔ زید' رابعہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ میری اندھیری دنیا اور اندھیر ہوتی چلی گئی۔ سوشل تو پہلے بھی نہ تھا اب آدم بیزار ہوگیا تھا۔

پاپا نے اپنے کاروبار کو چمکانے کے لئے رابعہ جیسی لڑکی کو میرے لئے سم قاتل بنادیا تھا۔ پاپا اوران کی شخصیت سے ہوئی نفرت کو انہوں نے خود جگایا تھا پھر کبھی اُن سے بات کرنے کو میرا دل نہ چاہا۔ اُس دن دادا کے مجبور کرنے پر ہی میں اُن کے ساتھ آیا تھا۔ بہت بار شادی کے لئے مجبور کرچکے تھے مگر ہر بار اُن کو ٹالنے میں پرسکون ہوجاتا۔ بزنس' بزنس اور بزنس بس یہی میری زندگی تھی۔ میری وجاہت اور اسٹیٹس نے بہت سی عورتوں کو میری طرف متوجہ کیا مگر میری توجہ اُن پر تبھی تک رہتی جب تک کوئی اور توجہ دینے والی مجھے نہ مل جاتی۔ تھوڑی سی دل لگی سے فرق بھی کیا پڑتا اُن جیسی عورتوں کو جو خود مکھیوں کی طرح میرے گرد منڈلاتی تھیں۔ حد سے آگے بڑھنے کی کوشش میں نے کبھی نہ کی آپ اسے فلرٹ بھی کہہ سکتے ہیں مگر ہائی سوسائٹی کے لئے یہ کچھ ایسا برا نہیں۔ اُس دن نیناں کے ساتھ مجھے کلب جانا تھا۔ نیناں میرے پارٹنر کی بیوی تھی جو مجھ میں دلچسپی رکھتی تھی مگر ایسی عورتوں سے نفرت تھی مجھے شدید نفرت مگر بہت بڑی ڈیل تھی جو اسی کی بدولت ملنے والی تھی۔ دادا کے ساتھ اس قصبے میں آنا مجھے بہت کھلا تھا (پھر روتی سورتی وہ چھوٹی لڑکی جو پریوں جیسی خوبصورتی کی مالک اور میری چچا زاد تھی) میں جھنجلانے لگا اسی جھنجلاہٹ میں میں نے اُس کی ''کاسنی'' کو باہر پھینکا تھا۔ اُس کا استعجاب اور پھر نفرت آج بھی اسی طرح میرے حافظے میں نقش ہے' چچا کی محبت کی شادی' گھر چھوڑ جانا' خاندان سے کٹ جانا مجھے کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی اس قصے میں۔ ڈری سہمی خاموش چھوٹی لڑکی آہستہ آہستہ گھر میں ایڈجسٹ ہونے لگی گھلنے ملنے لگی۔ ندا اور ردا کے ساتھ اس کی گاڑھی چھننے لگی تھی۔ مجھ سے اُس کی زیادہ بات چیت نہ ہوتی تھی میں خود بھی لئے دیئے انداز

میں رہتا۔

ڈنگہ والے گھر میں اُسے ہوش وخرد سے بیگانہ دیکھ کر کچھ دیر کے لئے میں پریشان ضرور ہو گیا تھا مگر پھر اپنی دلچسپیوں میں کھو کر اُسے اور اُس کی کیفیت کو بالکل بھول گیا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا تھا۔ وہ اُس کی خوبصورتی تھی، معصومیت تھی یا کاملیت کہ میں اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ خوبصورت عورتیں تو بہت تھیں میرے ارد گرد پھر اُس میں ایسا کیا تھا۔ خود سے بھاگنے لگا تھا میں وہ بہت چھوٹی تھی مجھ سے، اُس پر نگاہیں ڈالتا تو شرمندگی آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتی۔ میرا رویہ خود بخود بدلنے لگا تھا۔ کسی اور کو محسوس ہوا یا نہیں میرے دوستوں نے بہت محسوس کیا تھا۔ کبھی مجھے اُس سے بے انتہا نفرت محسوس ہوتی، بے انتہا نفرت۔ پھر اُس دن اُسے لفظوں کے تیروں سے چھلنی ہوتے دیکھ کر مجھ جیسا سرد برف جیسا شخص بھی پانی پانی ہو گیا تھا۔ لیکن اُس سے ہمدردی کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ دادا اور اُس نے میرے لئے کوئی اور راستہ چھوڑا ہی نہیں ہے۔ کیا ہمیشہ اسی طرح مجھے بے بس کیا جائے گا۔ اُس سے محسوس ہوتی نفرت ابل ابل کر باہر آ رہی تھی۔

☯☯☯

ٹھس انداز میں بیڈ پر بیٹھے وہ ایسے سکون سے تھی جیسے اپنی نہیں کسی اور کی شادی میں شرکت کرنے آئی ہو۔ نفرت اور غم و غصے کے باوجود چچی نے اس کے لئے شاپنگ کی تھی دنیا دکھاوے کو ہی سہی سب کچھ اُن کے خاندانی معیار کا تھا۔ ردا کا رویہ اُس کے ساتھ اچھا تھا وہی ابھی اُسے نعمان رحیم کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اُس نے سرخ کپڑوں اور زیورات سے ایسے چھٹکارا حاصل کیا تھا جیسے سانپ بچھو ہوں۔

اس کمرے میں وہ ایک بار ہی آئی تھی مگر نفاست سے سجی ہر چیز اسے از بر تھی ہلکے نیلے پردے، الماری، ڈیکوپینٹ کا فرنیچر اور کمپیوٹر ایک ناگوار بوجھ کی صورت میں مسلط کی گئی اُس کی ہستی اپنی بے قدری پر ماتم کناں تھی مگر آنکھیں خشک تھیں اس چھوٹی عمر میں جتنا اُس نے عمر، زندگی برتی تھی اس سے بہت ٹھہراؤ آ گیا تھا اُس کے اندر مگر یہ ٹھاٹھیں مارتا اضطراب کیسا تھا جو اندر ہی اندر اُس سے ٹکرا رہا تھا۔

رات کے تیسرے پہر تھکن سے چور وہ اندر آیا مگر اُسے سکڑے سمٹے بیڈ کے ایک کونے پر پڑے دیکھ کر شام کے واقعات اُس کے ذہن کی اسکرین پر فلم کی صورت چلنے لگے۔ ہمیشہ کی طرح پہلے پاپا نے اور اب دادا نے اُس کے لئے کوئی راہ فرار نہ چھوڑی تھی ساری شام اور پھر رات کے تین پہر باہر گزار کر اُس نے جونہی کمرے میں قدم رکھا از سر نو "میں" اُس کے دماغ کو کھولانے لگی۔ اُس کو دیکھ کر ایک دم ہی بھک سے دماغ اڑا تھا۔ تن فن کرتا وہ اُس کے قریب آیا ہاتھ بڑھا کر ایک جھٹکے سے بازو پکڑا اور اپنے روبرو کھڑا کر لیا۔ ارادہ بیڈ سے اٹھانے کا تھا۔ نیند کے خمار سے بوجھل کجلائی آنکھیں متوحش ہو کر کچھ اور پھیل گئی تھیں۔ بے اختیار ایک چیخ اُس کے حلق سے برآمد ہوئی ساتھ ہی ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔

"ڈونٹ ٹچ می، چھوڑ دو مجھے، چھوڑ دو مجھے۔"

دھیان کی کھڑکیوں سے جھانکتی سکستھ کلاس کی وہ خوف زدہ لڑکی ادھ کھلے دروازے کی درز سے اندر جھانک رہی تھی۔ ماں اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش میں بے حال تھی۔ ("چھوڑ دو مجھے، چھوڑ دو مجھے، تم کیا سمجھتے ہو ہمیشہ اپنی من مانی کرو گے، ہمیشہ اپنی مرضی") وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ جبھی اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا منہ بند کر دیا۔ "ڈونٹ ٹچ می، چھوڑ

دو' چھوڑ دو۔"

"بند کرو یہ فضولیات۔"

"مجھے بھی شوق نہیں ہے تمہیں چھونے کا' کہیں بھی جا کر لیٹ جاؤ' بیڈ خالی کرو۔"

اس کے ہاتھوں کی مضبوط کڑی گرفت تلے پھڑ پھڑاتے اُس کے لب یک دم ساکت ہوئے تھے۔ اُس کے مضبوط ہاتھ ابھی تک اُس کے ہونٹوں پر تھے۔ اُس نے ہاتھوں سے اُسے پرے دھکیلنا چاہا جب اُس نے جھٹکے سے خود ہی چھوڑا تھا۔ اپنی بے اختیار حرکت پر اُسے شرمندگی ہونے لگی۔ ماضی کے دریچوں سے جھانکتا یہ واقعہ بہت بار اُس نے سوچا تھا مگر مطلب' حقیقت آج عیاں ہوئی تھی۔

اُس نے اپنے آپ کو پڑھائی میں بہت مصروف کرلیا تھا۔ تھرڈ ایئر میں (Psychology) اور (Social Works) اُس کے مضامین تھے۔ گھر والوں کا رویہ ویسا ہی تھا۔ ردا کی اُس کے ساتھ گاڑھی چھننے لگی تھی تو وہ مخلص سی لڑکی ہمیشہ اُسے بہلانے کی کوششوں میں ہوتی۔ اب دادا کا رویہ بھی خاصا بدل گیا تھا کبھی موڈ ہوتا تو اُس سے ڈھیروں ڈھیر باتیں کرتے۔ نعمان اور اُس کے بیچ ان دیکھی دیوار نے ان کے رویوں کو ایک دوسرے سے سرد اور برف کردیا تھا مگر یہاں اُن کے رویوں کو جانچنے والا تھا کون چچی جو اتنی بے خبر تھیں کہ انہیں پتہ نہیں تھا کہ وہ اس بڑے گھر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ نعمان رحیم نے اپنے آپ کو بزنس میں اور مصروف کرلیا تھا اُس کے آنے سے پہلے وہ سو چکی ہوتی اور اٹھنے سے پہلے کالج چلی جاتی۔

اُس دن ردا کی پراسرار سرگرمیاں اُسے مشکوک کررہی تھیں جو کیک' پیزا' پیسٹریاں اور کیا الا بلا اُس کے کمرے میں لالا کر رکھ رہی تھی۔

"ردا! یہ کیا ہے' سب کچھ یہاں' میرا مطلب ہے کس کی سالگرہ ہے؟"

"اتنی بے خبر ہیں آپ میری سالگرہ کا بھی علم نہیں۔ میں نے کہا گھر میں اور تو کوئی ہے نہیں کیوں نہ آپ کے ساتھ سلیبریٹ کی جائے۔ جلدی سے میری پسند کے کپڑے پہن کر آئیں۔"

اُس نے خود ہی اپنی پسند کا ڈریس سلیکٹ کیا اور اُسے تھما کر اُسے ڈریسنگ روم میں دھکیل دیا۔ سُرخ بلیک کمبی نیشن کے بوتیک کے سوٹ میں اُس کا سراپا بہار معلوم ہو رہا تھا۔ ردا نے اُس کے ناں ناں کرنے کے باوجود اُس کے لانبے بال کھول دیئے تھے۔

"کبھی ہمارے لئے بھی اہتمام ہونا چاہئے۔ آج کی ساری تیاری میرے نام۔" اُس کے جھجکنے پر اُس نے کہا تھا۔

"اب آپ یہ کینڈلز اس پر لگائیں میں ابھی آئی۔"

کینڈلز اُس کو تھما کر وہ جلدی سے باہر نکلی۔ گھٹنے قالین پر ٹکائے وہ بہت دھیان سے کینڈلز جلا رہی تھی جب دروازہ کھلا اور کوئی اُس کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔

"دیکھو ردا سب کینڈلز جلا دی ہیں۔ اب کیا کرنا ہے؟"

کینڈلز جلا کر اُس نے سر اوپر اٹھایا اور کڑے تیور لئے اُسے کھڑے دیکھ کر اُس کی روح فنا ہوگئی تھی۔ بریف کیس صوفے پر اچھال کر وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔

"کیا تماشا ہے یہ سب؟"

"اتنا فالتو سمجھ لیا کہ آپ کے عشوے وغمزے دیکھنے کے لئے ضروری میٹنگ چھوڑ کر دوڑا چلا آؤں'

"کیا بیماری ہے تمہیں؟"

اُس کے انداز اُسے دہلائے دے رہے تھے مگر اپنا قصور بہت غور کرنے پر بھی نظر نہ آیا۔ بات سمجھنے سے قاصر وہ ساکت کھڑی تھی۔ اُس کے ماتھے کی پھڑکتی رگ دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ پیچھے سرکتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ پانیوں سے بھرے نین کٹورے چھلکنے کو بے تاب تھے۔

"وہ ردا کی سالگرہ۔" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔

"نعمان بھائی! کیسا لگا سرپرائز۔ آپ کی سالگرہ مجھے یاد تھی۔ ہمیشہ کی طرح' آپ......" اپنی جھونک میں بولتی وہ اندر آئی مگر حالات کی سنگینی اور فضا کی خاموشی محسوس کر کے آدھا جملہ بول ہی نہ پائی تھی۔

"ریم کو بھی میں نے کچھ نہیں بتایا۔"

ان دونوں کا رویہ اُس کے سامنے تھا اس لئے اُس نے ان کے لئے سرپرائز ارینج کیا تھا اُسے ریم کی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر جلدی آنے کو کہا تھا اور یہی غلطی اُس سے ہوئی تھی۔ وہ اس سارے قصے سے یکسر لاعلم تھی۔ نعمان رحیم کو شرمندگی نے آ گھیرا اپنے سخت و کرخت الفاظ بار بار پچھتاوا دے جاتے۔ بڑی مشکلوں سے اُس نے اپنے آپ کو اس کیفیت سے نکالا تھا۔ بہتے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے اُس نے جلدی سے منہ موڑ لیا۔ اُس نے شرمندگی سے بچنے کو ردا کو پکارا۔

"کیک کو کس چیز سے ذبح کرنا ہے؟" چھری کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں گھما کر اُس نے ردا سے دریافت کیا تھا۔

"ردا کیک تو ہو گیا ختم۔ اب جلدی سے تیار ہو جاؤ' آج ڈنر میری طرف سے اور تمہاری پسند کا ہوگا۔" شگفتہ لہجے میں کہتے وہ اٹھا تھا۔

"یاہو۔ بس میں ابھی آئی۔"

وہ ابھی تک اُسی پوزیشن میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ جب ردا نے ناک کیا۔

"چلیں۔"

بالوں کی پونی ٹیل بنائے پنک کپڑوں میں وہ بالکل تیار تھی۔ اُس نے کی چین اٹھائی اور منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا ردا' میرا کچھ کھانے کا موڈ نہیں پلیز تم چلی جاؤ۔" ردا نے پریشانی سے اُس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم گاڑی میں بیٹھو ہم آ رہے ہیں۔"

اُس کے جاتے ہی دروازہ بند کر کے وہ اُس کی جانب مڑا تھا۔

"میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ مجھے کہیں نہیں جانا ہے۔" تھوڑی دیر قبل کی گئی انسلٹ کسی طرح بھی نظر انداز کی جانے والی نہ تھی۔ ڈریسنگ روم کی طرف قدم بڑھائے جب وہ اچانک سامنے آیا تھا وہ اُس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"راستہ چھوڑیں۔"

ہاتھ سینے پر باندھے خاموش کھڑا وہ پوری طرح اُس کی طرف متوجہ تھا۔

"راستہ چھوڑیں۔"

وہ نہایت غصے میں تھی لیکن اُس کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"اگر نہ چھوڑوں تو؟"

"تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔"

اُس کے مڑنے سے قبل ہی اُس نے اُسے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور دائیں بائیں ہاتھ ٹکا کر تمام راستے مسدود کر دیئے تھے۔ پہلی بار استحقاق بھری پُر اشتیاق نظریں اُس کے خوبصورت چہرے پر جمی تھیں۔ انا

کہیں جاسوئی تھی۔

''عشوے وغمزے تو بالکل بیویوں والے ہیں۔''

اُس کا مسکراتا لہجہ بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ خفگی بھری نظریں اٹھیں اور اُس کے لئے قیامت کھڑی کر گئیں اُس کی شفاف نرگسی آنکھوں میں ڈولتا اپنا عکس دیکھ کر وہ بے خود ہوا اٹھا' درمیانی فاصلے کو کم اور کم کرتے وہ اس کے چہرے پر جھکا...... پر تپش سانسیں اُسے اتھل پتھل کرنے لگیں۔

''تمہاری خود ساختہ پرہیز گاری' پپا کا چہرہ' تمہاری خود ساختہ پرہیز گاری۔'' وہی منظر پھر تازہ ہوا تھا۔

دونوں ہاتھ اُس کے سینے پر رکھ کر اُسے پرے دھکیل کر وہ چیخی تھی۔

''چھوڑ دو مجھے' چھوڑ دو۔''

گہری سانس لے کر وہ پیچھے ہٹا الجھن آمیز انداز میں اُس کی طرف دیکھتے وہ کافی پریشان تھا۔ تھوڑی دیر بعد بالکل نارمل انداز میں اُس کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھی۔ اُس کی الجھن مزید بڑھ گئی تھی۔

شرٹ کی تلاش میں اُس نے سب کچھ باہر ڈھیر کر دیا تھا۔ وہ کالج جا چکی تھی۔ سب سے نیچے پڑی ڈائری اُس کے ہاتھ آئی۔ اچانک اُسے یاد آیا ڈونگہ والے گھر میں بے ہوش ریم کے ساتھ وہ کالی ڈائری بھی اٹھا لایا تھا مگر یہاں ڈال کر بعد میں یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اب نہ اُسے آفس یاد رہا نہ شرٹ اور نہ کچھ اور۔ ڈائری پڑھتے پڑھتے بہت سی باتیں اُس پر منکشف ہوئی تھیں۔ فائزہ حسن کی بے گناہی' چچا کی بااختیار شخصیت اپنی مرضی کی خواہش' گھر والوں کا رویہ' فائزہ حسن کی حساس طبیعت اور پھر چچا کے پچھتاوے جو فائزہ حسن نے بھی دیکھ لئے تھے مگر ساری عمر ابراہیم احمد کو تشنگی دیتے دیتے اپنے بچوں کے ساتھ ناانصافی کر گئی تھیں بہت سی نفسیاتی گرہوں کے ساتھ پلتے بچے اور خاص کر ریم۔ ریم کا رویہ آہستہ آہستہ اسے سمجھ میں آ رہا تھا۔ اُس کا گریز اُس کا فرار شاید وہ اپنی جگہ اپنی ماں کو دیکھتی تھی۔ اُسے اُس سے بے پایاں ہمدردی کا احساس ہوا۔ محبتوں کے معاملے میں وہ بھی اُسی کی طرح تہی دست تھی۔

سیکاٹرسٹ کو سب کچھ بتا کر وہ اُس کے جواب کا منتظر تھا۔

''نعمان صاحب! بات یہ ہے کہ آپ کی بیوی عدم تحفظ اور عدم اعتماد کا شکار ہے۔ وہ اپنی ماں اور باپ کی ناکام ازدواجی زندگی کو کسی طور بھی بھول نہیں پا رہی۔ شاید وہ بھول بھی جاتی اگر وہی کہانی اُس کے ساتھ نہ دہرائی جاتی۔ نبیل کی صورت وہ بھی بالکل اپنی ماں کی طرح گھر میں ذلیل ہوئی۔ ایک نفسیاتی گرہ ہے جو اُس کے اندر ہے اسے محبت' التفات' ہمدردی' اعتماد اور اعتبار سے ٹھیک کیا جا سکتا ہے' اُسے یہ یقین دلایا جائے کہ تم نبیل نہیں بلکہ نعمان ہو۔ تم نے اُسے اُس کہانی کا حصہ بننے سے روکا ہے جو اُس کا ماضی رہی ہے۔ اُسے اس بات کا اعتماد دیا جائے کہ اُس کی ماں بے گناہ تھی اور یہ سب تسلیم کر چکے ہیں۔ اُس کا باپ اگرچہ بُرا کر چکا تھا مگر پھر بھی پچھتاوا اُس کا مقدر رہا اور فائزہ حسن اُس سے محبت ہو جانے کے بعد بھی اس بات کا اقرار نہ کر پائی۔ آپ کا کہنا ہے کہ اُس کی ایک بہن بھی ہے۔ اُسے اُس سے ملوایئے تاکہ وہ آپ کو بالکل اپنا سمجھنے لگے۔''

اُس کی باتوں کو غور سے ذہن نشین کرتا وہ پورے اعتماد سے اٹھا تھا۔

''تھینکس الاٹ' آئی ول ٹرائے مائی بیسٹ۔''

ڈاکٹر سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوتے اُس کا انداز پر سوچ تھا۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟'' وہ ردا کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی جب وہ استفسار کرتا اُس کے ساتھ ہی صوفے پر ٹک گیا تھا۔ لاپرواہ انداز تھکاوٹ سے بھرپور تھا۔ روئے سخن چونکہ اُسی کی جانب تھا سو اسے اٹھنا پڑا۔ چائے بنا کر لائی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

''کمرے میں چلے گئے ہیں' کہہ رہے تھے سر میں درد ہے وہیں دے آؤ۔'' ردا اُسے بتا کر پھر ٹی وی میں مگن ہو چکی تھی۔ وہائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ میں جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹا وہ شاید سو چکا تھا۔ دو آوازیں دینے پر بھی وہ نہ اٹھا تو مجبوراً بازو ہلا کر اُسے متوجہ کیا جب سرخ آنکھیں اُس کے چہرے پر گاڑے وہ اُسے دیکھنے لگا۔ اُس کے اس طرح دیکھنے پر وہ پزل ہوئی تھی۔ اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کا شور اُسے کانوں میں سنائی دیا۔

''چائے لے لیں۔''

''بیڈ کی سائیڈ ڈراز میں دیکھو شاید کوئی ٹیبلٹ ہو' سر میں شدید درد ہے۔'' تھکے تھکے انداز میں اُسے کہہ کر وہ بیٹھا چائے کا کپ تھام کر چسکی لی' خاموشی سے ٹیبلٹ نکال کر اُس کے ہاتھ پر دھری تھی۔

''ڈنر کے لئے مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ لائٹ آف کر جانا۔''

خالی کپ اُس کے ہاتھ سے لے کر لائٹ آف کر کے وہ باہر آ گئی تھی۔ دل ابھی تک کانوں میں دھڑک رہا تھا نہ جانے ایسا کیا تھا اُس کی نگاہوں میں۔

ساری لائٹس آف کر کے وہ اندر آئی اُسے اسی پوزیشن میں لیٹے دیکھ کر یکبارگی سہم کر اُس کے ماتھے پر ہاتھ دھرا۔ دوسروں کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر وہ اسی طرح پریشان ہو جایا کرتی تھی۔ بخار سے جلتی پیشانی سے اس کی ہتھیلی دہک اٹھی تھی۔ اُسے بے سدھ پڑے دیکھ کر اُس کو پریشانی ہونے لگی۔ بخار کی میڈیسن ہاتھ میں لئے وہ اُسے جگا رہی تھی۔

''میڈیسن لے لیں آپ کو بہت تیز بخار ہو رہا ہے بلکہ ٹھہریں پہلے تھوڑا کچھ کھا لیں پھر میڈیسن لیجئے گا۔''

اُس کے ہمدردانہ رویئے نے اُس کے اندر ٹھنڈی لہریں دوڑا دی تھیں۔ اُس کا کیئر کرنا اُسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''فائزہ آنٹی اور ابراہیم انکل کی بدولت میڈیسن کے متعلق تو تم اچھا خاصہ جانتی ہو۔ ہے ناں؟''

اُس کے سرسری لہجے میں پوچھے گئے سوال پر اُس کے چہرے پر تاریک سایہ لہرا گیا تھا۔ بغیر جواب لئے وہ لیٹ چکا تھا۔

''انہیں کیسے پتہ کہ ماں ڈاکٹر تھیں۔''

وہ الجھی الجھی سی تھی۔

کالج سے چھٹیاں تھیں اس لئے گھر پر ہی سارا وقت گزرتا۔ اُس کی کوشش ہوتی کہ اُس سے کم سے کم سامنا ہو۔ مگر نعمان اُسے بار بار اپنے کسی کام میں الجھا دیتا۔

''میری شرٹس کے بٹن غائب ہیں کیا اسی طرح بغیر بٹنوں کی شرٹ کے آفس چلا جاؤں' پہلے تو چچی یا ردا کچھ خیال کر لیتی تھیں مگر اب...... خیر دیکھو میری آف وائٹ شرٹ کے بٹن غائب ہیں۔'' اُس نے جھنجلا کر اُسے آواز دی اور کئی شرٹس اُس کی طرف اچھال دیں خود واش روم میں بند ہو گیا تھا۔ بٹن لگا کر اُس نے جونہی بیڈ شیٹ جھاڑنے کو تکیہ اٹھایا ڈائری اُس کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُس ڈائری کو اُس کے تکیے کے نیچے دیکھ کر اُس کی سانس گلے میں اٹک گئی تھی۔

''کیا وہ سب کچھ پڑھ چکے ہیں؟''

ماضی ایک لٹکتی تلوار کی طرح اُس کے سر پر مسلط تھا۔ تولیہ کندھے پر ڈالے گیلے بالوں سے پانی جھٹکتے وہ نہ جانے کب اُس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ اُس کی طرف مڑی۔

Digestlibrary.com

"یہ ڈائری یہاں۔"

"میں لایا تھا۔"

بہت ٹھہر ٹھہر کر اُس نے بولنا شروع کیا تھا۔

"ساری عمر میں اپنے اکیلے پن کا سوگ مناتا رہا۔ ممی پپا کی بے اعتنائیوں کا شکار رہا اپنے آپ کو مظلوم اور انہیں ظالم خیال کرتا رہا مگر یہ ڈائری پڑھ کر معلوم ہوا کہ تنہائیاں کیسی ہوتی ہیں۔ ایسی تنہائیاں جس میں آپ کے مقدر کی سیاہی بھی شامل ہو جس میں اپنوں کی بے اعتمادی ہو برا رویہ ہو۔ جو فائزہ حسن نے سہا۔ اگرچہ اُس کا قصور کچھ بھی نہ تھا لیکن اُس نے لمبی مسافت طے کی لیکن سایہ اُسے پھر بھی نصیب نہ ہوسکا۔ اور ابراہیم انکل محبت پا کر بھی تہی داماں رہے۔ ساری عمر محبت صرف لینے کا نام نہیں چھیننے کا نام نہیں بلکہ محبت تو قربانی ہے۔ لیکن جب ابراہیم انکل کو اس بات کا احساس ہوا تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ وہ کبھی اپنی محبت کی شدت فائزہ کے سامنے ظاہر نہ کرسکے اور اگر کی بھی تو فائزہ حسن نے اس کا یقین نہیں کیا لیکن اس سارے قصے میں اگر اگنور ہوئے تو بچے' تمہاری ساری محرومیاں فائزہ آنٹی نے شدت سے محسوس کرلی تھیں لیکن تب کچھ بھی نہ بچا تھا' کچھ بھی نہیں۔"

بہت دیر بعد اُسے سچا ہمدرد اور غم گسار نظر آیا تھا۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو اُس نے روکا نہ تھا۔ کوئی تو تھا جو اس کی ماں کی بے گناہی پر یقین رکھتا تھا کوئی تو تھا جو اس کی محرومیوں کو سمجھتا تھا۔ یکبارگی اُس کے سینے سے لگی وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اُس نے اُسے رونے دیا۔ نہایت آہستگی سے اُس نے اُس کے گرد حصار باندھا تھا۔ اُس کے رونے میں کچھ اور شدت آئی تھی۔ ایک بچے کی طرح مضبوطی سے اُسے جکڑے وہ روئے چلے جارہی تھی۔

"میرے دل کے اندر ایک گوشہ بہت دیر سے خالی' ویران پڑا ہے کوئی بھی اُس کونے کو آباد نہ کرسکا۔ ایسا خلاء جو ابھی بھی مجھے اپنے ادھورے پن کا احساس دلاتا ہے۔ لیکن تمہارے آنے سے اس کی ویرانی کم ہوگئی ہے۔ ہم اپنے بچوں کو بالکل ایسا ماحول نہیں دیں گے جس سے وہ کسی محرومی کا شکار ہوں۔"

اُسے ایک دم اُس سے لاج آئی جلدی سے پیچھے ہٹی جب اُس نے پھر کھینچ لیا۔ "اونہوں اب نہیں۔" اُس کے معنی خیز اشارے پر اُس نے شرم سے سر جھکا لیا تھا۔

"ہم آج ہی ستارہ کی طرف جا رہے ہیں۔ تمہاری ممانی سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ اپنے کیے پر بہت شرمسار ہیں اور پھر تمہاری نانو کو بھی تو یقین دلانا ہے۔"

سارے خوف' خدشے' واہمے کہیں جا سوئے تھے۔ ماضی کو ایک تلخ حقیقت جان کر اُس نے قبول کرلیا تھا۔ نعمان رحیم اور نبیل کا فرق واضح ہوگیا تھا۔ رشتوں ناتوں اور قول و قرار پر جان دینے والا شخص اس کا سچا ہم سفر اور ہم راز تھا۔ ساری گرہیں خود بخود کھلتی چلی گئی تھیں۔

□

Digest Novels Lovers group